تمام مؤمنین اہلِ سنّت کو اِسلامی سالِ نو ۱۴۱۴ھ مُبارک ہ

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت مُلتان

محرم الحرام : ۱۴۱۴ھ
جولائی : ۱۹۹۳ء

حُسین زندہ ہیں جنّت میں چین کرتے ہیں
حسد ہے اُن سے جنہیں شور و شین کرتے ہیں

افکار احرار

تبلیغ اسلام

اسلام کسی ایک قوم، ایک ملک یا ایک خاندان کی سرفرازی کا پیغام لے کر نہیں آیا۔ یہ تو ساری انسانیت کے شرف و سعادت کا پیغام ہے۔ یہاں برہمن اور چمار، سید اور نجار کا سوال نہیں۔ جو اس سربلندی کے پروگرام کو اپنائے اور اپنے اخلاق کو اس کے مطابق بہتر بنا لے۔ وہی امت محمدی ﷺ میں سردار ہے کسی کو اگر اتنی سیدھی بات سمجھانے کے لئے کوئی وقت نکال سکو تو تم نے تبلیغی فرض پورا کر دیا۔ لو دیکھا تم تو ہر شخص کے دل لگتی بات کہنے سے شرمندہ ہو۔ گویا تم کسی خاص نسل، خاندان یا ملک کی فوقیت منوانے کے لئے دوسری قوم و ملک کو دھکہ دینا چاہتے ہو۔ سنو! اسلام ایک نسلِ انسانی کا قائل ہے۔ ملک کی حد بندیوں کو قبول نہیں کرتا۔ انسانوں میں سیاسی غلامی کا روادار نہیں۔ اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ کو برداشت نہیں کرتا۔ نہ امراء اور غریب طبقات کا حامی ہے۔ پس انسانیت کی اسی نور کی طرف رہنمائی کرو۔ بخدا یہ امر انسانیت کے تقاضوں سے دور ہے کہ دنیا کفر کی موت، مرے۔ اور تم اس دوزخ کا ایندھن بننے سے بچانے کی کوئی سعی نہ کرو۔

یہ نماز روزے کس کام کے اگر تم اندھوں کو غار میں گرنے سے خبردار نہ کر سکو۔ کفر کی گہرائیاں تو غار کی تاریکیوں سے زیادہ خوفناک ہیں۔ تمہارا دین کس کام کا، اگر ہمسایہ کو نارِ جہنم سے نہ بچا سکو۔ مذہب تو رحم کا سرچشمہ ہے۔ تمہارا مذہب کیا ہے کہ تم اہلِ وطن کو دوزخ کی آگ اور اس کے شعلوں کے حوالے کر دو۔ اسلام کیسی بڑی نعمت اور کفر کیسا دردناک عذاب ہے۔ خود غرض دھوکے میں نہ رہیں۔ تمہیں اگر اسلام کی نعمت ملی ہے تو یہ نہ ختم ہونے والی چیز اوروں کو پہنچاؤ اور لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے بچاؤ، اگر تم میں یہ تڑپ نہیں تو سمجھ لو کہ تمہارا دل سوز و گداز پیدا کرنے والے اسلام سے محروم ہے۔ دل میں نور اسلام ہو تو وہ انسان کو آتش بجان بنا دیتا ہے۔ اور دل ایک نہ بجھنے والی شمعِ نور بن جاتا ہے۔ جس سے اور شمعیں روشن ہو جاتی ہیں۔

مفکر احرار چودھری افضل حق ؒ
خطبہ صدارت احرار تبلیغ کانفرنس
دہلی ۳۰ اپریل۔ ۱۹۴۱ء

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۷۵۵

محرم الحرام ۱۴۱۴ھ جولائی ۱۹۹۳ء جلد ۴ شمارہ ۷ قیمت فی پرچہ =/۸ روپے

سرپرست اکابر

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ

مجلسِ ادارت

رئیس التحریر:

سید عطاء المحسن بخاری

مدیر مسئول:

سید محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر

مولانا محمد عبدالحق مدظلہ

حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ

ذوالکفل بخاری ◉ قمرالحسنین

خادم حسین ◉ ابوسفیان تائب

محمد عمر فاروق ◉ عبداللطیف خالد

سید خالد مسعود گیلانی

زرِ تعاون سالانہ

◉ اندرونِ ملک =/۱۰۰ روپے ◉ بیرونِ ملک =/۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ دار بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان — فون ۷۲۸۱۳

ترجمانِ تحفظِ ختمِ نبوّت [شعبہ تبلیغ] عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل احمد اختر مطبع: تشکیل نور پرنٹرز مقامِ اشاعت: دار بنی ہاشم ملتان

آئینہ

اداریہ:	دل کی بات	مدیر	۳
نقد و نظر:	پاکستان میں جمہوریت	قمرالحسنین	۴
	منو بھائی کے نام....!	″	۶
نظم:	جمہوریت کے بیس سنہری اُصول	سید عطاء المحسن بخاری	۸
مکالمہ:	ہمارے سیاستدان کرپٹ ہیں	شمس الاسلام بہاری	۱۰
نظم:	حرافہ	حفیظ جالندھریؒ	۱۲
″	انقلاب آسماں	علامہ حسین میر کاشمیریؒ	۱۳
تذکارِ شہادت:	جنّت نشاں	شاہ بلیغ الدین	۱۴
	بیاد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	ماخوذ	۱۶
	اِرشادِ گرامی خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم	″	۱۷
	ارشاد گرامی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ	″	۱۸
	اے روحِ حسین رضی اللہ عنہ	″	۱۹
نظم:	رثا سیدنا حسین	سید محمد اظہار الحق عباسیؒ	۲۱
خطاب:	یزیدی کون؟	سید عطاء المحسن بخاری	۲۲
الوداع:	سید محمد طیب بخاری کی یاد میں	″ ″	۳۳
بازگشت:	کوثر نیازی ـــــ ہر تعالی کا بینگن	خادم حسین	۳۵
نظم:	ہم مست مست لوگ	پروفیسر مرزا محمد منور	۴۰
تاریخ:	عیسائیت کی یلغار	حکیم محمود احمد ظفر	۴۱
نظم:	پہیلی بوجھ پہیلی	ویسہ ود	۴۶
تلخیص:	میرا افسانہ (خود نوشت چودھری افضل حقؒ)	عبدالمجید قریشی	۴۷
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات اُن کی	ساغر اقبالی	۵۱
تحقیق:	علمی تعاون کی درخواست	ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری	۵۳
تبصرہ کتب:	حسنِ انتقاد	سید محمد فدا الکفل بخاری	۵۷
تراجم:	مسافرینِ آخرت	ادارہ	۵۹
خطوط:	حلقۂ احباب	قارئین	۶۱
اقتباس:	نفاذِ اسلام سے فرار کیوں	حضرت امیر شریعتؒ	۶۲

دل کی بات

انجام گلستان کیا ہو گا ۔۔۔۔

سب سے پہلے تمام مؤمنین اہل سنت کو اسلامی سال نو ۱۴۱۴ھ کے آغاز پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ جب تک دنیا قائم ہے یہ لیل و نہار یونہی الٹتے اور پلٹتے رہیں گے۔

تلک الایام نداولہا بین الناس

محرم پھر آ گیا ہے۔ اور حسبِ سابق اپنے لوازمات اور خود ساختہ روایات کے ساتھ آیا ہے۔ ہمارے ہاں اس ماہ کی خود ساختہ تقدیس کا تصور بھی ماورائی ہے۔ ان افعال شنیعہ اور لہو و لعب کو تہذیب و ثقافت کے نام پر ہم سال بھر نہ صرف روا رکھتے ہیں بلکہ اُن کی ترویج و اشاعت میں مبنی تمام تر توانائیاں صرف کر کے اُن کے جواز میں دلائل کے انبار لگاتے ہیں مگر جونہی محرم کا آغاز ہوتا ہے تو ایک خاص سازش کے تحت وہ سب اعمال بد شجرِ ممنوعہ قرار دے دیئے جاتے ہیں۔

جو مقامات سال بھر مقدس نہیں ہوتے ان ایام میں تقدیس و احترام کے زمرے میں آ جاتے ہیں۔ انہیں ایام میں خاص طور پر امن و امان کا مسئلہ بھی کھڑا ہو جاتا ہے۔ جبکہ سال کے گیارہ مہینوں میں قیام امن کی طرف کوئی بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ غرض پورے ملک میں خود ساختہ دحرم کی تقدیس کے نام پر ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو صرف رمضان المبارک اور حج کے مہینے ہی مقدس ہیں۔ اور قرآن کریم کے واضح حکم کے بعد کسی انسانی تصور کی دین میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بحیثیت ایک مسلمان کے ہم اسی حکم کے پابند ہیں لیکن یہاں روا داری کے نام پر ایک باطل اور جارح اقلیت کے عقائد و نظریات کو جبراً اور قانوناً ملک کی واضح اکثریت پر ٹھونسا جا رہا ہے۔ امن و امان کے مسئلہ کو ہی لیجیئے کہ پاکستان میں تمام غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں (ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ) مگر انکے مذہبی تہواروں پر امن و امان کا مسئلہ کھڑا نہیں ہوتا جبکہ محرم کی آمد پر ایک اقلیت کا طرزِ عمل ہمارے ملک کے امن کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ مذکورہ اقلیت وحدتِ امت کی علمبردار بھی ہے اور انتشار امت کا باعث بھی۔ یہی منافقانہ طرز عمل ہی ملک میں بدامنی کا سر چشمہ ہے۔ موسیقی کو روح کی غذا اور سکون کا ذریعہ قرار دینے والے ایام محرم میں اسے حرام قرار دیتے ہیں۔ اور میڈیا پر نام نہاد تقدیس کو بنیاد بنا کر اس کو بند کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ انہی کے اصول کے مطابق محرم میں ان کیلئے موسیقی زیادہ سکون آور ہو سکتی ہے۔ ذرائع سفر، بسوں اور ویگنوں میں مسافروں کو جبراً لچر اور فحش گانے سنائے جاتے ہیں اور اس ظالمانہ عمل کو روکنے والا معتوب، قابلِ گردن زدنی اور رجعت پسند قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ ماہِ محرم میں یہاں بھی موسیقی خلافِ اسلام ہو جاتی ہے اور اُن کی جگہ نوحے اور مرثیے عینِ اسلام قرار پا جاتے ہیں۔

پاکستان ریلوے نے خیبر میل میں اوپن موسیقی پروگرام شروع کر دیا ہے۔ سپیکر کھلے ہوئے ہیں۔ اور ہر مسافر کو جبراً تمام لغویات سنائی جا رہی ہیں۔ حکام کو اس کا کچھ احساس نہیں کہ کون کس حالت میں ہے۔ مگر وہ اپنی من مانی کر کے ملک کی ایک قابلِ احترام کمیونٹی کے بنیادی حقوق اور جذبات کو نہایت بے شرمی کے ساتھ پامال کر رہے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۶۲ پر

پاکستان میں جمہوریت

یہودی و عیسائی عملی زندگی میں اللہ و رسول کے ہرگز قائل نہیں ہیں تمام معاملات زندگی سے فی ... میں چاہے اچھی ہو یا بری وہ موذی اس میں روایت پرست نہیں ہیں چہرے کی بناوٹ، بالوں کی تراش خراش۔ لباس، بود و باش طرز زندگی (WAY OF LIFE) میں وہ نت نئی امنگوں کے ترجمان دکھائی دیتے ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ حیوانی زندگی میں بھی کچھ قدریں (VALUES) قائم کی جا سکتی ہیں اور معاشرے کو ان کا پابند بنایا جاسکتا ہے چونکہ اس معاشرہ کے افراد الہامی ادیان اور ان کے قائم کردہ نظام حیات کو اور نظام ریاست کو یکسر رد کر چکے ہیں اس لئے انہوں نے پرندوں اور حیوانوں کی زندگی کو اپنی حیوانی زندگی کے مشابہ پا کے اسی کو فطرت (NATURE) سمجھ لیا اور اس راہ پر چل نکلے پھر انہوں نے جنگل کے اس قانون فطرت سے خود کو باہر نکالا اور ایک زندگی کی داغ بیل ڈالی اور اسکو دنیا کی سب سے اچھی تہذیب (CULTURE) کہا پھر اس پر قابو پانے اور تنوع کے رنگوں سے اسے حسین بنانے پر دن رات ایک کر دیا پھر انہوں نے اپنی سیاسی، سائنسی اور صنعتی ترقی کے بل بوتے پر اسے برآمد (EXPORT) کیا اس وقت دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں یہودیوں اور عیسائیوں کی تہذیب رائج ہے معاشی اور سماجی زندگی میں نت بدلتی اقدار ان کا طرۂ امتیاز ہیں اور اب یہی جہاں والوں کو محبوب ہیں بایں ہمہ یہ کافر و مشرک نظام ریاست میں کچھ روایات اور اقدار کے پابند ہیں دور حاضر میں برطانیہ اور امریکہ کی مثال لے لیجئے برطانیہ میں تقریباً ۹ سو برس سے ملوکیت (KINGISM) موجود ہے۔ اور وہ قوم اس کنگ ازم کا ساتھ نباہ رہی ہے۔ لبرل پارٹی ہو یا کنزرویٹو دونوں اس بادشاہی کا اعزاز و اکرام کرتے اسکے احکام کو مانتے اور اس قدیم روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں دوسرے یہ کہ اس شاہی خاندان کا مرد ہو یا عورت وہ اپنی حیوانی زندگی میں قدیم روایت کے پاسدار رہیں گے ... روایت کو آگے بڑھائیں گے ان سے اگر کوتاہی ہوئی تو راندے جائیں گے اور عام "حیوانوں" میں شامل ہو جائیں گے۔ امریکی حکمران کسی سے نازیبا تعلق قائم کرنے کی وجہ سے نااہل قرار دیئے جاتے ہیں اور سیاست ملکی میں ان کا ... کردار نہیں ہوتا ایسے افراد گنوار اور ولگر شمار کئے جاتے ہیں ان کے لئے امریکی یہودیوں اور عیسائیوں کی اجتماعی زندگی میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

برطانوی یہودی اور عیسائی حکمران کیریکٹر پر یقین رکھتے ہیں شراب پینا، زنا کرنا ان کی گھٹی میں ہوتا ہے مگر حکمرانوں پر اس بات کی پابندی ہوتی ہے وہ حکمران کو ایک مخصوص طبقہ سے باہر نہیں جانے دیتے اسکی زندگی میں عوامیت نہیں ہوتی بلکہ عوامیت کو سرے سے پسند ہی نہیں کرتے۔ ووٹ، اور میرٹ پر ان کا یقین ہے منتخب لوگوں کو پانچ برس تک بخوشی قبول کرتے اور ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ منتخب لوگ کسی طبقہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں ان کی یکساں عزت ہے یہاں تک کہ اسمبلی میں پہنچنے والے لوگ بھی اسی معیار پر پرکھے جاتے ہیں وہی مراعات، ترجیحات اور مفادات سب کو میسر ہوتے ہیں جو ایک منتخب فرد کیلئے آئین میں موجود ہیں۔

تبدیلی ہو گئی مگر دلچسپی سے خالی نہیں ہے قارئین بور نہیں ہونگے پھر بھی معذرت کیساتھ آگے چلتا ہوں ۔۔۔۔۔۔ ہمارے ہاں تو گنگا ہی الٹی بہتی ہے گنگا تو ہندوستان میں بہتی ہے ہمارے ہاں تو سندھ الٹا بہہ نکلا ہے خدا خیر کرے (آمین) ہمارے سیاستدان نام جمہوریت کا لیتے ہیں مثالیں برطانیہ فرانس امریکہ کی دیتے ہیں اور کرتوت ازمنہ وسطی کے جاہل امریکہ کی پیش کرتے ہیں سب سے پہلے تو بابائے جمہوریت جناب نواب زادہ نصر اللہ خاں کی بات کیجئے. کیا بات کیجئے آپ تو کسی ایک جگہ ٹھہرے ہوئے نظر نہیں آتے آپ ۵۶ سے لیکر آج تک سیماب پا ہیں حال ہی میں نواب صاحب نے آٹھویں ترمیم کے خلاف وہ رٹ لگائی اتنا شور مچایا کہ کانوں پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی مگر صاحب ملاحظہ فرمایئے آٹھویں ترمیم کے مخالف نواز شریف کی جمہوری حکومت کے خلاف وہ یوں بھڑک اٹھے جیسے مستقبل کی تمام کامیابیوں کی انہیں یقین دہانی ہو چکی ہے اور اب اسحق خان سے مطالبہ ہو رہا ہے کہ "میں حیران ہوں کہ اسحق نواز شریف حکومت کو ختم کیوں نہیں کرتے" یہ وہی نواب صاحب ہیں جو آٹھویں ترمیم کے دشمن ہیں لیکن اب اسی آٹھویں ترمیم کی طاقت کے سہارے غلام اسحق سے نواز شریف حکومت کو ختم کرانے کا مطالبہ کر رہے ہیں حیرت کا مقام ہے یہ اسی آدمی کی گفتگو ہے جو آٹھویں ترمیم کی دشمنی میں دشمنوں دوستوں سب کو جمع کر کے ببانگ دہل اٹھویں ترمیم ختم کرو کا نعرہ اسطرح لگا رہے تھے جیسے مل مزدور بونس لینے کیلئے مزدور اتحاد کر لیتے ہیں اور پھر دروازے پر دھرنا مار لیتے ہیں یعنی نواب صاحب اس عداوت میں عام سطح پر بھی تشریف لے آئے مگر "کٹھرے" میں فرمایا کہ سیاسی عمل کے جاری رہنے سے روایات قائم ہوتی ہیں نواب صاحب کے اس گرامی قدر فقرے کی روشنی میں ہم انکی سیاسی زندگی کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو نواب صاحب دوڑتے ہوئے ہی نظر آتے ہیں اور دوڑنے کی روایت ہی قائم کر سکے ہیں باقی تو ہمیں درج ذیل روایات ملتی ہیں

۱- سیاست میں کوئی بات حتمی نہیں۔ گویا آپ نے جو کل وعدہ فرمایا تھا وہ کل کی نذر ہوا اب آج کی بات کریں یہ کل آپ نے حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگایا آج جمہوریت پھر نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگایا آج پھر جمہوریت! تب آپ نے کہا اٹھویں ترمیم غلط آج اٹھویں ترمیم کا نواز شریف ٹوٹو او بابا یا تو آپ غلام اسحق کی بغل میں تھے۔

۲- کل کا دوست آج کا دشمن اور کل کا دشمن آج کا دوست ہو سکتا ہے یعنی کل نواز شریف دوست تھا آج بد ترین دشمن۔

کل بے نظیر بد ترین دشمن تھی آج بہترین سیاسی سہیلی

۳- ۷۷ میں مسلم لیگ ٹوڈیوں سروں خان بہادروں ماضی کے یونینسٹوں کی جماعت تھی اور قابل نفرت تھی نظام مصطفےٰ تحریک میں قابل محبت، صحبت میر میں ڈھلی ہوئی، قند کی ڈلی۔

۴- آپ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت میں بھی شریک تھے اور آپ مرزائیوں کو مرتد کہنے سے گریز بھی کرتے تھے۔

یعنی جھوٹ، مکر، دغا، بے وفائی، کہہ مکرنی، بھول جانے کی عادت، منافقت، ریاء کاری، سازش یہ ہماری پاکستانی جمہوریت اور بابائے جمہوریت کے لازم ملزوم اوصاف ہیں یعنی ان دونوں میں گل و بلبل کا رشتہ ہے گل نہ

ہو تو بلبل نہیں جمہوریت مع مذکور اوصاف کے نہ ہو تو نواب صاحب نہیں۔

یا حسرا تی

نواب صاحب کا تذکرہ براہ راست اس لئے آگیا کہ ہمیں ان سے ایسے اعمال کی توقع نہیں تھی نواب صاحب ہمارے بزرگوں کے صحبت چشیدہ و نم خوردہ اور فیض یافتہ ہیں لیکن انہوں نے ایسے سیاسی چولے بدلے ہیں کہ ماضی کے یونینسٹ بھی بھول گئے اس ملک میں تو جسکی دم اٹھاؤ وہی مادہ اور جسکا نقاب سرکاؤ وہی مادر مادر۔ یہاں اس لئے بھی نواب صاحب کا ذکر خیر ضروری سمجھا کہ وہ پاکستان میں جمہوریت کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔

اے وائے بہارے اگر اینسنت بہارے

منو بھائی کے نام---------!

(ممتاز کالم نگار منو بھائی نے روزنامہ پاکستان میں اپنے ایک کالم میں ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے حالیہ انقلابی فیصلوں اور موجودہ سیاسی صورت حال پر جو تبصرہ کیا اس کا مفہوم کچھ اسطرح تھا کہ پاکستان میں انصاف حاصل کرنے کیلئے مہنگے وکیل اور جانبدار جج کا ہونا ضروری ہے۔ ذیل کی تحریر اس کالم پر رواں تبصرہ ہے۔)

"سچ بولنے کے جرم میں مجھے مجرم قرار دیا گیا میں سوچتا ہوں کیا اب کوئی سچ بولے گا"۔

جبران

موجودہ "عدالتی نظام" فرنگی کی دین ہے اس نے مغصوبہ ملک کے باسیوں پر راج کرنے کیلئے یہ نظام بنایا اور اسکی پیشانی پر لکھ دیا۔

"حکمران اور بیوروکریٹ قانون کی گرفت میں نہیں آتے"

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں اس دور کی ایک طوائف اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کرکے مجاہدین آزادی کے شریک سفر ہوئی جنگ میں شکست ہوئی تو وہ بھی گرفتار ہوکے فرنگی موذیوں کے سامنے پیش کی گئی۔ فرنگی بیوروکریٹ نے کہا معافی مانگ لو یا پھانسی کے تختے پر جھول جاؤ۔ وہ توبہ کرنے والی طوائف پھانسی کے تختے پر جھول گئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد گرفتار ہوئے فرنگی نے انہیں کچہری (عدالت) میں آنے کا موقع دیا تو مولانا آزاد نے مسٹر مجسٹریٹ کو مخاطب کرکے کہا کہ تمہاری "عدالتیں" انصاف فراہم نہیں کرتیں بلکہ تاریخ کے سب سے بڑے ظالمانہ فیصلے یہیں ہوتے ہیں۔

باقی کے فیصلوں پر نظر دوڑائیں تو پاکستان کی سیاسی تاریخ ایسے الجھی ہوئی ہے جیسے کسی ملنگنی کے بال! اس میں اس کچہری کے نظام کی خرابیاں بھی ویسی ہیں جیسے ان بالوں میں موٹی موٹی جمکدار جوئیں۔

انصاف کی بنیاد اگر نظریہ پر ہے تو ماضی میں جس نظریہ نے ہمیں اسیر کئے رکھا ہے اسی ماضی کے فیصلے کیونکر غلط؟

اور اگر انصاف کی بنیاد معروضی حالات پر ہے اور اسکے ساتھ ہی انصاف کی بنیاد بین الاقوامی "تعلقات و مراعات" پر ہے تو بھی یہ فیصلے کیوں ہوئے؟ اور اگر انصاف کی بنیاد بدلتے ہوئے سیاسی رجحانات پر قائم ہو تو یہ تمام فیصلے غلط ہو سکتے ہیں۔

اگر انصاف کی بنیاد دلوں کے بھید جاننے والے جبار و قہار کے سامنے پیش ہونے پر استوار ہو تو فیصلہ غلط ہونے کے تمام جوازات محو ہو جاتے ہیں۔ میری رائے ہے کہ

دس ججوں کے مقابلے میں ایک صحافی وہ بھی صرف کالم نویس اور مسئلہ معاشیات پر بدلنے والے آشیانے کا پنچھی

اس فیصلے کو غلط کہنے تو سوچنا پڑے گا۔

کہ کس کس مقام پر کیسے کیسے لوگ کب کب اور کیونکر سچ بولنے سے گریز کرتے ہیں۔

○

تبدیلی ٹیلی فون نمبر

دفتر، ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت کا ٹیلیفون نمبر تبدیل ہو گیا ہے نیا نمبر نوٹ فرمالیں۔

511961

~~72813~~

قمر الحسنین

جمہوریت کے بیس سُنہری اصول

جتنی دولت بلیک سے لوٹی
اس الیکشن پہ میں لگا دونگا
مولوی جتنے بھی ہیں سیاست میں
ان کو آپس میں میں لڑا دونگا
ان کے لڑنے میں جیت ہے میری
بروسٹ چرغے بھی میں کھلا دونگا
مسجد و خانقہ میں جا کر بھی
دھاک چندے سے میں بٹھا دونگا
پھر ستاروں کی گفت وگو کیا ہے
بوتھ پولنگ پہ میں سنا دونگا
چت بھی میری ہے پٹ بھی میرا ہے
یہ اسمبلی میں میں بتا دوں گا
بھولے بھالے عوام پاگل ہیں
مژدے سارے انہیں سنا دونگا
جو سیانے ہیں ان کے سینے پر
قائداعظم بھی میں سجا دونگا
اپنے ماحول کے معزز کو
روز دعوت پہ میں بلا لوں گا
جو نہ مانے گا میرے حلقہ میں
سب مقدموں میں ئیں پھنسا دونگا

ووٹ میرے ہیں سیٹ پکی ہے
لیڈروں کو یقیں دلا دونگا
یہ الیکشن تو کھیل ہے اپنا
پیادہ، رُخ، فیلا، سب چلا دونگا
اکا دُکا جو بچ کے نکلے گا
ایک گولی سے بس سُلا دونگا
لاکھوں دیدونگا اسکے وارث کو
قرض میں اپنا اسے بنا لونگا
سات چکر "مزار اقدس" کے
"پیر زندہ" سے میں دعا لونگا
ان کی برکت سے کامراں ہو کر
ساری کسریں میں پھر نکال لوں گا
روز کوٹھوں پہ دعوتیں ہونگی
سارے فن کار میں بلا لونگا
ببو، گلجن، بہار، پپو سے
مجرے مجروں میں بھی کرا دونگا
نشو، ناہید نیناں، نور جہاں
ان ستاروں سے آنکھ لڑوا دونگا
کھیل، فلمیں، شباب کی رسمیں
پوری کر کے میں دل لبھا لونگا

O

شمس الاسلام بہاری

ہمارے سیاستدان کرپٹ ہیں

یہ آپ نے کیا کہہ دیا------ سیاستدان نہ ہوتے تو سیاست نہ ہوتی اور سیاست نہ ہوتی تو حکومت نہ ہوتی اور حکومت نہ ہوتی تو ملک نہ ہوتا- جناب، ملک میں جتنی سکوں کی ریل پیل ہے وہ انھی کے دم قدم سے ہے اور جسقدر شگوفے پھوٹتے کلیاں چٹکتی، اور پھول مسکراتے ہیں وہ انھی کی مسکراہٹوں کا استعارہ ہیں گویا وطن کی بہار انھی کی مرہون منت ہے-

بہت تقریر کرلی آپ نے، بہت سا دفاع کر لیا سیاستدانوں کا بہت قصیدہ خوانی کرلی ان مردوں کی--- آپ کا پیٹ نہیں بھرا ہیں نے جو کہا وہ سو فیصد درست ہے سیاستدان کرپٹ ہی تو ہیں یہ اگر برسے نہ ہوتے تو ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا- سیاستدانوں کی سب سے بڑی برائی ہے کہ یہ ڈاکٹروں کی طرح اندھے ہوتے ہیں جیسے انکو خون، بلغم، پیشاب، پاخانہ، جگر، گردہ، مثانہ اور دیگر تمام اعضاء کے ایکسریز، ٹیسٹ رپورٹوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے- بالکل اسی طرح سیاستدان بلکہ دو پائے کا سیاستدان جیسے بھٹو مرحوم انکی فرزندی بینظیر بھٹو نواز شریف وغیرہ اقتدار میں ہوں تو اسٹیبلشمنٹ، خفیہ ادارے پارٹی انفریشن سیل اور امریکی سفیر کی ملاقات------ ان "الٹرا ساؤنڈز" پر مشتمل رپورٹوں سے ان کو آنے والے کل کی اطلاع ہو جاتی ہے یا آنے والے کل میں کیا کرنا ہے کی ہدایات مل جاتی ہیں اور وہ ایک فرماں بردار ملازم کی طرح گامزن ہو جاتے ہیں اور اگر حاکم نہ ہوں تو پارٹی سیل اور ایجنسیوں کی طرف یوں نگاہ اٹھائے ٹکر ٹکر دیکھتے جیسے بلی گوشت کی طرف یا چھچھڑوں کی طرف-

اور سیاستدانوں کی دوسری بہت بڑی برائی یہ ہے کہ اگر سیاستدان جاگیر دار ہے تو صنعتکاروں سے اپنے اقتدار کیلئے زبان باہر نکالے حرص کے قطرے زبان سے ٹپکاتے مالی تعاون مانگتے بلکہ مالی تعاون کی بھیک مانگتے ہیں ان کی اپنی پارٹی کا کوئی آدمی قومی یا صوبائی اسمبلی کا امیدوار ہو- پارٹی ٹکٹ لینے کیلئے آئے، پانچ لاکھ سے دو کروڑ روپے بڑے سیاستدان کو دینے پڑتے ہیں، نام لیتے ہیں غریبوں کا، غربت دور کرنے کا، اشیاء ضرورت سستی کرنے کا، نعرہ لگاتے ہیں مہنگائی مردہ باد مگر جناب کبھی دیکھا آپ نے انہیں، قریب سے دیکھئے تو جب یہ غریبوں میں آتے ہیں تو ۶۵ لاکھ کی بلٹ پروف گاڑی میں بیٹھ کر--- کپڑے ان کے امریکہ میں سلتے ہیں کہ وہاں کی فٹنس بہت اچھی ہوتی ہے دھلتے فرانس میں کہ وہاں ان کے بھائی صاحب رہتے ہیں پانی وہاں کا بنا ہوا پیتے ہیں کہ اس میں بھائی کی خوشبو ہے- اور اگر یہ صنعتکار ہوں تو پھر یہ بیرون و اندرون ملک سودے لینے اور دینے میں اتنی دولت کما لیتے ہیں کہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بھکاری نہیں جو کاسہ گدائی لئے پھریں-

تیسری برائی یہ ہے کہ یہ سیاستدان صنعتکار ہو یا جاگیردار، قومی اور ملکی سطح پر جتنے بھی کنٹریکٹ کرتا ہے اسکی تمام کمیشن قومی خزانے میں میں ڈالنے کی بجائے اپنے پیٹ یعنی پرسنل مین ہول میں ڈال لیتے ہیں چوتھی برائی یہ ہے کہ یہ سیاستدان برسر اقتدار آ کر صرف ان لوگوں کو نوازتے، سنوارتے اور سجاتے ہیں جو ان کے موالی اور

"وزن تولنے" کی مشین ہوتے ہیں قوم منہ دیکھتی رہ جاتی ہے کہ یہ صاحب ابھی کل کی بات ہے اپنی تقریر میں ہماری فلاح و نجات کیلئے فرما رہے تھے ہم ہسپتال بنائیں گے، اسکول کالج بنائیں گے، سڑکیں بنائیں گے، ہم گجرات کو پیرس بنا دیں گے، ہم لاڑکانہ کو شنگھائی بنا دیں گے، ہم غریب عوام کو جیتے جی جنت میں بھیج دیں مگر سب کچھ سراب! یہ کرپٹ سیاستدان اقتدار میں ہوں تو ہم غریبوں کا کوئی کام "بھتہ" لیے بغیر نہیں کرتے جیسے ہمارے پولیس والے "حق الخدمت" وصول کرتے ہیں اور کسی جگہ چائے پانی یا شیرینی کی اصطلاح بھی استعمال کر لیتے ہیں! کیا کیا گنواؤں۔ نماز یہ نہیں پڑھتے رمضان میں روزے نہیں رکھتے دولت کے باوجود حج نہیں کرتے زکوٰۃ نہیں دیتے۔ سود کھاتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں قتل کراتے ہیں وعدہ خلافی کرتے ہیں پھر بخشش کے امیدوار ہیں اور اس کیلئے قبروں پر سجدہ کرتے ہیں زنا کرتے ہیں شراب پیتے ہیں جواء کھیلتے ہیں۔ اگر دین کو بیس حصے بنا لیا جائے تو ۹ حصے دین معاملات کا ہے ایک حصہ عبادات کا ہے اور یہ کرپٹ سیاستدان معاملات کے ہی کھوٹے ہیں اب بھی آپ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں؟

بھئی میری توبہ

یہ تو ڈپٹی نذیر احمد کے ابن الوقت سے بھی آگے بڑھ گئے بلکہ یوں کہنا چاہیے:

مُسیلمہ کے جانشین گرہ کٹوں سے کم نہیں
کُتر کے جیب لے گئے پیمبری کے نام پر

آپ کے عطیات

محاسبہ مرزائیت و رافضیت کی جدوجہد کو تیز کرنے کے لئے اپنی زکوٰۃ، صدقات اور عطیات اپنی جماعت مجلسِ احرار اسلام کو دیجئے۔

بذریعہ منی آرڈر: سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

بذریعہ بنک ڈرافٹ یا چیک = اکاؤنٹ نمبر ۲۹۹۳۲ حبیب بنک حسین آگاہی۔ ملتان۔

شیزان کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے!

یاد رکھئے! ہم مسلمان ہیں اور مرزائی کافر مرتد!

ہم اگر اُن کی مصنوعات استعمال کریں گے تو وہ ہمارے سرمائے سے ہمارے خلاف اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے آسانیاں پائیں گے،

فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ بائیکاٹ یا —

حرّافہ

گزشتہ دنوں بے نظیر بھٹو نے مختلف اخباری بیانات میں اپنے متعلق کہا کہ "وہ مشرقی خاتون کے کردار کا ماڈل ہوں، چادر اور دوپٹہ اوڑھتی ہوں اور اسلام کے لئے عالمی سطح پر لڑ رہی ہوں"۔ "روشن خیال اسلام کی علمبردار ہوں"۔ ـــــ بے نظیر صاحبہ جس کافر تہذیب کی علمبردار ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ قول وعمل کے اس تضاد کو دیکھ کر حفیظ جالندھری مرحوم کی مشہور طویل نظم "رقاصہ" کے اشعار یاد آ گئے۔ قدرے تصرف کے ساتھ "حرافہ" کے زیر عنوان چند اشعار قارئین کی نذر ہیں ـــــ (مدیر)

او دشمنِ دُنیا و دیں

تیرا بِھڑکنا خُوب ہے
تیری ادائیں دل نشیں

لیکن ٹھہر تُو کون ہے
او نیم عُریاں نازنیں

کیا مشرقی عورت ہے تُو
ہرگز نہیں ہرگز نہیں

تیری ہنسی بے باک ہے
تیری نگہ چالاک ہے

اُف کس قدر دل سوز ہے
تقریرِ بازاری تری

کتنی ہوَس آموز ہے
یہ سادہ پُرکاری تری

نخلِ وفا کی ڈالیاں
ہوتی ہیں عفّت والیاں

وہ حُسن کی شہزادیاں
پردے کی ہیں آبادیاں

چشمِ فلک نے آج تک
دیکھی نہیں ان کی جھلک

سرمایۂ شرم وحیا
زیور ہے اُن کے حسن کا

شوہر کے دُکھ سہتی ہیں وہ
منہ سے نہیں کہتی ہیں وہ

کب سامنے آتی ہیں وہ
غیرت سے کٹ جاتی ہیں وہ

اعزازِ ملت اُن سے ہے
نامِ شرافت اُن سے ہے

اسلام پر قائم ہیں وہ
پاکیزہ و صائم ہیں وہ

تجھ میں نہیں شرم وحیا
تجھ میں نہیں مہر ووفا

بج سج بنا تُو کون ہے
او بے حیا تُو کون ہے

احساسِ عزّت کیوں نہیں
شرم اور غیرت کیوں نہیں

یہ پُر فسوں غمزے ترے
نامحرموں کے سامنے

ہٹ سامنے سے دُور ہو
مردُود ہو مقہور ہو

تقدیر کی ہیٹی ہے تُو
شیطان کی بیٹی ہے تُو

جس قوم کی عورت ہے تُو
اُس قوم پر لعنت ہے تُو

لیکن ٹھہر جانا ذرا
تیری نہیں کوئی خطا

مُردوں میں غیرت ہی نہیں قومی حمیت ہی نہیں
وہ ملّتِ بیضا کہ تھی سارے جہاں کی روشنی
اب اس میں دم کچھ بھی نہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں
ملّی سیاست اُٹھ گئی بازو کی طاقت اُٹھ گئی
شانِ حجازی اب کہاں وہ ترکتازی اب کہاں
اب غزنوی ہمت گئی اب بابری شوکت گئی
ایمان عالمگیر کا مسلم کے دل سے اُٹھ گیا
قوم اب جفا پیشہ ہوئی بلکہ گدا پیشہ ہوئی
اب رنگ ہی کچھ اور ہے بے غیرتی کا دور ہے
یہ قوم اب مٹنے کو ہے یہ نرداب پٹنے کو ہے
یہ گلشنِ جنت نشاں!

علامہ حسین میر کاشمیریؒ

ممبران اسمبلی کی نذر

انقلاب آسماں

کیا خبر تھی انقلاب آسماں ہو جائے گا
قورمہ قلیہ نصیبِ احمقاں ہو جائے گا
ظلمت باطل کے دامن میں چھپے گا نورِ حق
دال کی آغوش میں قیمہ نہاں ہو جائے گا
کیک بسکٹ کھائیں گے الو کے پٹھے رات دن
اور شریفوں کے لئے آٹا گراں ہو جائے گا
کنٹرول اس کے لبِ شیریں پہ گر یوں ہی رہا
کھانڈ کا شربت نصیبِ دشمناں ہو جائے گا
اے بھنے تیتر نہ ڈر باورچیوں کی قید سے
پیٹ میرا تیری خاطر آشیاں ہو جائے گا
اے سکندر مرغ کا ہے شوربا آبِ حیات
خضر بھی اس کو اگر پی لے جواں ہو جائے گا
جب یہ کہتا ہوں کہ کچھ سامانِ دعوت کیجئے
وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ ہاں ہو جائے گا

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَلِیٍّ۔ رضی اللہ عنہ ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من سب الانبیاء؟ قتل۔! ومن سب اصحابی ؟ جلد۔!

جو شخص انبیاء علیہم السلام کو بُرا کہے ؟ اُس کو قتل کر دیا جائے! اور جو شخص میرے صحابہ کو گالی بکے۔ ؟ اُس کی دُرّوں سے پٹائی کی جائے۔!

شاہ بلیغ الدین

جنت نشان

بیادِ امیر المؤمنین قاتل الکفار والمشرکین خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

فرمایا---- مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے نرم اور نفیس کپڑے پہنے تو قیامت کے دن اُن کے بارے میں مجھ سے سوال کیاجائے گا! یہ کہنے والا بڑی شخصیت کا مالک تھا۔ ایران سے، شام سے، یمن اور نہ جانے کن کن علاقوں سے اُس کے تجارتی تعلقات تھے۔ وادیٔ بطحا کے بڑے تاجروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ سُوال اس سے یہ ہوا تھا کہ---- یہ جو آپ کھدّی کا بنا ہوا کپڑا پہنے ہوئے ہیں یہ نہایت موٹا اور کھردرا ہے۔ آپ کیوں اچھا کپڑا نہیں پہنتے؟--- جواب سنکر خادم سالم رو پڑا پھر بڑے ادب سے بولا کہ---- آقا! اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات یاد دلاؤں! آقا نے کہا--- بے دھڑک بتاؤ! سالم نے کہا--- پہلے تو آپ نرم اور ملائم کپڑے پہنتے تھے آقا نے کہا--- ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو۔ سالم نے کہا--- یہ قمیض جو آپ پہنے ہوئے ہیں چار درم میں بنی ہو گی! اب تو اس کی کوئی قیمت ہی نہیں یہ جگہ جگہ سے پھٹ گئی ہے اور اس میں کئی پیوند لگے ہیں۔ فرمایا---- ہاں! تم ٹھیک ہی کہتے ہو! خادم بولا---- میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ صرف آپ کی قمیض چالیس درم کی ہوا کرتی تھی۔ اب اپنے اوپر اتنا تو ظلم نہ کیجئے کہ پیوند زدہ کپڑوں پر اُتر آئیے۔ آج جو عزت اللہ نے آپ کو دی ہے پہلے تو کبھی آپ کو یہ عزت نہ ملی تھی۔ کروڑوں میں کسی کو یہ مقام ملتا ہے۔ اب تو آپ ہی نہیں غیر بھی دور دور سے آپ سے ملنے آتے ہیں۔ پہلے اتنے لوگ بھی آپ سے ملنے نہیں آتے تھے۔ فرمایا--- ہاں! تم سچ کہتے ہو لیکن اب تو انہی کپڑوں میں اور اسی حال میں گزر بسر ہوگی۔

یہ اللہ کا بندہ بھی بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ رزم کا ایسا دھنی کہ عکاظ اور ذُوالمجنہ کے میدانوں پر اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ہر سال جب وہاں میلہ لگتا اور شہسواری اور شمشیر زنی کے مقابلے ہوتے تو شاذ ہی کوئی اس کے منہ آتا تھا۔ بزم کا وہ ایسا اُستاد تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ---- رات رات بھر شعر سنایا کرتا تھا۔ خطابت اس کے گھر کی لونڈی اور سفارت آبائی کنیز تھی۔ عربی صرف و نحو کے قواعد اسی نے مرتب کئے پھر یہ کام حضرت علیؓ نے اپنے دور میں آگے بڑھایا۔ شعر کی پرکھ تو اللہ نے اسے ایسی دی تھی کہ نابغہ ذبیانی جیسا شخص کہتا تھا کہ--- اگر انہوں نے کسی سے ایک شعر دوبارہ پڑھوالیا تو وہ شاعر نہال ہو جاتا تھا، فخر سے ایک ایک سے کہتا پھرتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے کہ۔ جو عہدِ جاہلیت میں بلند مرتبہ تھے وہ اسلام میں بھی اعلیٰ مرتبے کے حامل رہے۔ اللہ نے ان جلیل القدر بزرگ کو اس ارشاد کا نمونہ بنایا تھا۔ اسلام لے آئے تو اس شان

محبوبیت سے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا مانگی۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ ۔۔۔ وہ ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت عطا فرمائی۔ انہی کو ساتھ لے کر امام الانبیاء نے پہلی مرتبہ حرمِ کعبہ میں باجماعت نماز پڑھی جس میں چالیس اہلِ ایماں حاضر تھے۔ جس دن سے ایمان لائے اسی دن سے مقربِ بارگاہِ نبوی بن گئے۔ اللہ کے رسول کا ارشاد تھا کہ ۔۔۔ آسمان پر آپ کے دو وزیر تھے، اور زمین پر دو وزیر! زمین کے وزیروں میں ایک ابوبکر تھے دوسرے یہ بزرگ محترم! فارابی اور ماوردی جیسے سیاسی مفکروں نے انہی کو ذہن میں رکھ کر یہ معیار بنایا ہے کہ ۔۔۔ حکمران وقت کو کیسا ہونا چاہیے؟

سابقون الاولون میں شامل، ہجرت میں پہل کرنے والے۔ عشرہ مبشرہ میں سے ایک، بدری صحابہ میں شریک، بیعتِ رضوان میں حاضر، وہ تمام غزوات میں نبی اللہ کے ساتھ رہے۔ اللہ نے انعام سے سرفراز فرمایا تو وہ اتنی بڑی مملکت پر حکمران رہے جتنا یورپ کا تین چوتھائی رقبہ ہوتا ہے۔ امیرالمومنین بننے سے پیشتر بڑے ٹھاٹ سے رہتے تھے مگر منصب اور اقتدار ملا تو ایک دنیا کے برخلاف درویشانہ چلن اختیار کیا۔ سالم نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ۔۔۔ میں ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہا ہوں جب اللہ کے فضل سے خلافت کا منصب مل گیا تو میں نے سوچا کہ اب تو بس جنت ہی کی طلب ہونی چاہیے!

سالم کہتے تھے کہ امیر المومنین بن جانے کے بعد ان کے آقا کا پورا لباس ۔۔۔ قمیض، پاجامہ، عمامہ، ٹوپی موزے سب کی قیمت جوڑی گئی تو مشکل سے بارہ دام بنے۔

ایک موقع پر صاحب التاج والمعراج ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جنت میں عمر بنِ خطابؓ کا مکان دکھایا گیا! جنت کے یہ طالب وہی تھے۔

○

تحریک آزادی کے نامور رہنما اور صاحب طرز ادیب مفکر احرار چودھری افضل حق کی خودنوشت سوانح

میرا افسانہ

چالیس برس بعد دوبارہ شائع ہوگئی

● میرا افسانہ ● ایک عہد اور ایک زمانے کی سوانح ● آزادی کے مجاہدوں کا تذکرہ

کمپیوٹر کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت جلد صفحات ۲۰۸ قیمت ۱۱۰ روپے

بیادِ امیرالمؤمنین شہید مظلوم سیّدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

الٰہی! میں عثمانؓ سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

عثمانؓ! خداوند تعالیٰ! تمہارے اگلے پچھلے ظاہر اور چھپے اور روزِ قیامت تک ہونے والے تمام گناہوں کی مغفرت فرمائے۔

عثمانؓ میری اُمت میں سب سے بڑھ کر شرمیلے اور باعزت آدمی ہیں۔

عثمانؓ جنتی ہیں۔

عثمانؓ شرمیلی طبیعت کے آدمی ہیں ملائکہ بھی ان سے شرماتے ہیں۔

عثمانؓ جنت میں میرے رفیق ہوں گے۔

عثمانؓ خداوند تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، دنیا سے تم مصیبت اٹھاؤ گے لیکن دنیا والوں کو تم سے کوئی مصیبت نہ ہو گی۔

عثمانؓ میرے بعد تم ابتلا کے دور سے گزرو گے لیکن مقابلہ ہرگز نہ کرنا

عثمانؓ تم دنیا میں بھی میرے ولی ہو اور آخرت میں بھی۔

امیر المومنین خلیفہ راشد سیدنا عثمان ذوالنُورین رضی اللہ عنہٗ، شہادت سے قبل باغیوں سے آخری خطاب

میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، سچ کہو!

کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بیر رومہ خرید کر اس کا پانی تمام مسلمانوں کے لئے وقف نہیں کر دیا تھا؟ مسجد نبوی تنگ تھی۔ اس میں سب نمازی نہیں سما سکتے تھے، کیا میں نے اسکی ملحقہ زمین خرید کر اس کی توسیع نہیں کی؟ جب جیشِ عسرہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امداد کی اپیل کی تو کیا اس وقت میں نے جیشِ عسرہ کی مکمل تیاری کا بندوبست نہیں کیا تھا اور کیا اس پر مسرور ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو جنت کی بشارت نہیں دی تھی؟ تمام لوگوں نے بیک زبان جواب دیا۔ ہاں! پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اے اللہ! تو گواہ رہ

آپ نے باغیوں کو مخاطب کر کے فرمایا!

اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو اس کے جواز کی دلیل کیا ہے؟ میں نے تو اسلام سے پہلے بھی نہ کبھی شراب پی، نہ کبھی زنا کیا اور نہ کسی کو قتل کیا۔

اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر اس کے بعد کبھی تم میں باہم محبت نہ ہو گی، ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہو گے اور تماری اجتماعیت ختم ہو جائے گی۔ ابن حبان ۵۴۳، طبری ج ۴ ص ۳۷۲

امام الانبیاء، مخبرِ صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی

سیدنا حسین کے قاتل

شیعہ

ہو گئے

٣٢٣ ـ الحسين بن محمد ، عن محمد بن أحمد النهدي ، عن معاوية بن حكيم ، عن بعض رجاله ، عن عنبسة بن بجاد ، عن أبي عبدالله عليه السلام في قول الله عز وجل : «فأما إن كان من أصحاب اليمين ٥ فسلام لك من أصحاب اليمين»(٥) ، فقال : قال رسول الله صلى الله عليه وآله لعلي عليه السلام : هم شيعتك فسلم ولدك منهم أن يقتلوهم .

آنحضرتؐ نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا۔

"اے علیؓ اپنے بیٹوں کو اپنے شیعوں سے بچانا وہ انہیں قتل کر دیں گے"

(شیعہ مذہب کی سب سے معتبر کتاب کافی صفحہ ٢٦٠ جلد نمبر ٨)

آنحضرتؐ کی اس پیشین گوئی کے بعد جو شخص شیعوں کے علاوہ کسی اور کو قتلِ حسینؓ کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تکذیب کر رہا ہے۔

ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے

- ابن زیاد — کے ہاتھ پر — یزید کی بیعت —؟ توخدا کی قسم ! یہ بات میری موت کے بعد ہی ممکن ہے !
ہاں ! اگر باعزت طریقہ سے معاملہ فہمی مقصود ہے تو پھر مدینہ کو واپسی یا سرحد پر چلے جانے کے علاوہ تیسری صورت یہ ہے

- مجھے یزید کے پاس جانے دو تاکہ میں اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دیدوں پھر وہ میرے متعلق جو مناسب سمجھے گا خود فیصلہ کریگا [البدایہ لابن کثیر ج ۸]
... اور یا میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں رکھ دوں تو وہ میرے اور اپنے بارے میں جو مناسب ہے۔ رائے قائم کریگا [تاریخ الامم والملوک الطبری ج ۶]

- سیدنا — حسین رضی اللہ عنہ سے بسند روایت ہے۔ آپ نے کمانڈر کوفہ عمر بن سعد سے فرمایا
میری تین باتوں سے ایک پسند کرلو (۱) یا میں اس جگہ لوٹ جاتا ہوں جہاں سے آیا ہوں (۲) یا یہ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں جبکہ وہ میرے چچا کا بیٹا ہے. تو وہ میرے متعلق اپنی رائے خود قائم کرے گا۔
(۳) یا پھر مجھے مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی سرحد کیطرف روانہ کردو تو میں وہیں کا باشندہ بن جاؤں گا۔
پھر جو نفع اور آرام وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوگا وہی مجھے بھی مل جائے گا، اور جو نقصان اور تکلیف وہاں کے لوگوں کو ہوگی وہی مجھے پہنچے گی۔ [شیعوں کی معتبر کتاب — الشافی — مع التلخیص ص ۱۹۰ ج ۴ طبع ایران، تصنیف سید ابی القاسم علی بن الحسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن زین العابدین علی الاوسط بن السبط۔ (سیدنا الحسین بن — سیدنا علی بن ابی طالب علیہم الرضوان)]

- اے کاش ! یہ شرائط نامہ طے ہوجاتا تو اُمت کو مظلومیٔ حسین رضی اللہ عنہ کا روزِ غم دیکھنا نصیب ہوتا
اور نہ — یزید ہی کے لئے سب وشتم اور لعن طعن کا دروازہ کھلتا !

بہر حال جنابِ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قول وعمل ہمارے لئے ایک دائمی درسِ عبرت ہے۔

خدائے پاک ہمیں شہیدِ کربلا کی سچی پیروی نصیب فرمائیں — آمین —!

اے روحِ حسینؓ ہماری مدد فرما۔
ہمیں ظلم سے نجات دلا

اے روح حسین ابن علیؓ!
اے روح جگر گوشۂ فاطمہؓ!
اے روح سبط نبی صلی اللہ علیہ وسلم!
اے روح شہید کربلا!
اے روح سیدالشباب الجنہ!

ہم تجھ کو براہِ راست، اس لئے پکار رہے ہیں کہ تو زندہ ہے، تو شہید ہے۔

قرآن نے شہید کو مردہ کہنے یا سمجھنے سے منع کیا ہے، ہاں تو زندہ ہے، اپنے رب سے رزق پاتا ہے، مگر ہم تیری زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔

تو زندہ ہے تو ہماری آواز یقیناً تجھ تک پہنچتی ہوگی۔

بلاشبہ نواسۂ رسولؐ کی حیثیت سے بارگاہ رب العزت میں تیرا شمار مقربین خاص میں ہوگا۔

ہم ایک ایسی افتاد، ایک ایسی مصیبت سے نجات کے لئے تجھی کو اپنا واسطہ بناتے ہیں جو تیرے ہی نام پر نازل ہوتی ہے اور ہماری زندگیوں کو شدید اذیت سے دوچار کئے ہوئے ہے۔

ﷲ! ہماری مدد فرمائیے! ہمارے رب کو ہم پر رحم فرمانے کے لئے آمادہ کیجئے، ہم آپ کا دامن شفقت پکڑتے ہیں، آپ اللہ کے دامنِ رحمت کو ہم پر سایہ فگن کرائیے۔

اے سوار دوشِ رسولؐ!

آپ تو سراپا محبت، شفقت اور لطف و کرم تھے، آپ نے تو کبھی انسانوں پر کوئی ظلم نہ کیا تھا، آپ مدینے سے کربلا تک کے سفر میں بہت سی بستیوں سے گزرے مگر کوئی ایک فرد بھی آپ کے یا آپ کے ساتھیوں کے ہاتھوں کہیں ستایا نہیں گیا، آپ نے صرف میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دی اور وہاں بھی کسی پر ظلم نہ کیا، ہر ایک کا ظلم اپنی جان پر اور اپنے اہل خانہ کے سینوں، سروں اور حلقوم پر سہا! ظلم آپ کی فطرت سے کوسوں دور تھا، آپ کے حاشیۂ خیال میں بھی اس کا گزر نہ تھا۔

مگر اے حسینؓ! اے رسولؐ کے نورعین!

یہ تیرے نام نہاد، یہ تیرے پیروکار، یہ تیرے "جاں نثار" ایسے سنگدل، ایسے شقی القلب اور ایسے اذیت پسند کیوں بن گئے کہ آج ان کے کروڑوں ہم وطن اور "کلمہ گو بھائی" ان کے ہاتھوں ستائے جا رہے ہیں اور ان کا اصرار ہے کہ وہ یوں ہی ستائے جاتے رہیں گے۔ ان کی کوئی درخواست، کوئی التجا، کوئی اپیل سنی نہیں جائے گی۔

ہم آپ کی تعلیم و تربیت سے، آپ کے حسنِ خلق سے اور آپ کی انسانیت دوستی سے واقف نہ ہوتے تو آپ کو پکارنے اور آپ کی مدد چاہنے کی راہ ہرگز اختیار نہ کرتے۔

آپ ہی بتایئے، آپ آج ہمارے درمیان موجود ہوتے تو کیا اس بات کو پسند کرتے یا اپنے پیروکاروں کو اس کی اجازت دیتے کہ وہ بستیوں کے درمیان جلوس لے کر نکلیں تو لاکھوں شہریوں کا اپنے گھروں سے نکلنا، اپنے مراکزِ ملازمت یا کاروبار تک پہنچنا، اپنے مریضوں کا اسپتال پہنچانا، اپنے جنازوں کو قبرستان تک لے جانا،

اپنے بچوں کے لئے دودھ اور مریضوں کے لئے دوا حاصل کرنا اور معمولاتِ زندگی برقرار رکھنا ممکن نہ رہے۔

آپ کی تعلیمات، آپ کے اقوالِ عالیہ، آپ کے اعمالِ حسنہ ہمارے سامنے ہیں۔

خدا کی قسم! آپ ہرگز یہ پسند نہ کرتے کہ شہروں کی مرکزی شاہراہیں چند ہزار افراد کے پیروں تلے ہوں اور ان پر سفر کرنے والے لاکھوں شہری تتر بتر کردیئے جائیں، گلی کوچوں میں ٹھونس دیئے جائیں، گھنٹوں حبس بیجا کی کیفیت سے دوچار رہیں اور انہیں انتہائی شدید ضرورت اور مجبوری کے عالم میں بھی سڑک کے ایک سے دوسرے کنارے پر پیدل چلنے کی اجازت بھی نہ دی جائے۔ نہیں، آپ یہ سنگدلی ہرگز گوارا نہ کرتے!

آپ کے نام پر، آپ کو محبوب رکھنے والے لاکھوں افراد پر، کبھی یوم عاشور پر، کبھی چہلم پر کبھی یوم علیؓ پر اور کبھی ان کی دیکھا دیکھی یوم میلاد النبیؐ پر شہریوں کا ناطقہ بند کرنے کی یہ روش کیا ظلم عظیم نہیں؟

خدارا! اپنے رب سے التجا کیجئے کہ وہ ان لوگوں کا دل نرم کردے، ان کی سوچ بدل دے، جو اپنے بھائیوں کو اذیت میں مبتلا کر کے خوشی اور اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ اسے کارِ ثواب بلکہ عبادت سمجھتے ہیں اور اپنے شوق کی تکمیل کے لیے کربلا کا سا کوئی غیر آباد خطۂ زمین یا شہروں کے گرد و نواح کا علاقہ استعمال کرنے کی بجائے اندرونِ شہر کی معروف ترین شاہراہوں اور گنجان آباد بستیوں سے گزرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ کیا جلوس نکالنے کے ساتھ اس کا مرکزی شاہراہوں اور گنجان علاقوں سے گزارنا بھی عقیدہ اور عبادت کا کوئی لازمی جزو ہے؟

اے روحِ حسینؓ، ہمارے حال پر رحم!

یہ اذیت رسانی، یہ ستم رسیدگی، یہ آفت زدگی، یہ شقی القلبی چونکہ آپ ہی کے مقدس نام پر ہو رہی ہے اس لئے ہم اس سے نجات کے لئے آپ ہی کو پکار رہے ہیں، اپنے اور ہمارے رب سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں اس اذیت سے نجات دے، جو لوگ اس پر کمربستہ ہیں، ان کو سختی اور بے حسی کی جگہ نرم روی اور انسان دوستی کی توفیق عطا فرمائے، انسانوں کے قلوب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جب چاہے انہیں پھیر دینے پر قادر ہے۔

اے روح شہید کربلا!

توکل ظلم سے نجات کا ذریعہ بنی تھی۔

ہم آج پھر تجھ کو ظلم ہی سے نجات کے لئے پکار رہے ہیں۔

(جلوس زدہ لاکھوں مظلوم مسلمان)

علم و ادب اور تاریخ و سیرت سے دلچسپی رکھنے والے باذوق قارئین کے مطالعے کیلئے دو اہم کتابیں

فدائے احرار، عظیم مجاہد آزادی

مولانا محمد گل شیر شہید

مؤلف: محمد عمر فاروق : قیمت/150 روپے

صاحب طرز ادیب، مفکر احرار

چودھری افضل حق رحمہ اللہ کی

نایاب اور اہم کتاب

"شعور"

قیمت — 35 روپے

رثا سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سید والا
جید اعلیٰ
لولوئے لالہ
یوسف زہرا
کشتۂ صحرا
تشنۂ دریا
آہ چہ شد
آہ چہ شد، آں ماہ چہ شد
آں دلبرِ ہر دل خواہ چہ شد
آں شاہ چہ شد
آں رہبرِ ہر گمراہ چہ شد
آں پیش رو شہراہ چہ شد
آں سید علی جاہ چہ شد
در تیرہ شب اَوّاہ چہ شد
آں یوسفِ کربل چاہ چہ شد
آں دورہ دیدہ شاہ چہ شد
فرزندِ رسول اللہ چہ شد
آہ چہ شد
ایں حادثۂ جاں کاہ چہ شد
آہ چہ شد
آہ چہ شد آں را کہ بتول
ہر گز نتواں دید ملول
غرۃ و قرۃ عینِ رسول
نور و ظہور زینِ رسول
(صلی اللہ علیہ وسلم)

سید محمد اطہر راسخ سہیل عباسی مرحوم و مغفور
خطیب جامع مسجد مرکزی ٹوبہ ٹیک سنگھ

خطاب: سید عطاء المحسن بخاری
ناقل: مہدی معاویہ

دارِ بنی ہاشم ملتان
۷ راگست ۱۹۹۲ء

یزیدی کون؟

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کے ضمن میں ہمارے موقف کے متعلق یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ یہ تو یزیدی ہیں۔ حتیٰ کہ پاکستان کے ایک بڑے گراندیل مولوی نے ہمیں یزیدی لکھ بھی دیا۔۔۔۔۔ کسی کے لکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ بھائی! یزیدی تو دراصل وہ ہے جس نے یزید کی بیعت کی۔ اور بیعت کی سیدنا حسینؓ کے بھائی (محمد بن علی المعروف محمد بن حنفیہ) نے۔ یہ حوالہ مضبوط سند کے ساتھ تاریخ میں موجود ہے اور اس مولوی کو عمداً نظر نہیں آتا جو ہمیں بہ طور گالی یزیدی کہتا جاتا ہے۔

عہدِ یزید کے جن معروف صحابہ نے بغیر جبر و اکراہ یزید کی بیعت کی ان میں جناب سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ اور جناب سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ اور سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ یزیدی یہ ہوئے کہ ہیں؟ ہم نے نہ تو یزید کی بیعت کی، نہ اس کا زمانہ پایا، نہ اس کے اعمال دیکھے، نہ اس کے احوال دیکھے ہم نے تو تاریخ میں لکھی ہوئی ایک بات بتائی۔ اور جاہل مولویوں کے منہ کھل گئے کہ صاحب یہ یزیدی ہے۔ یہ یزیدی ہے۔ اب ہمیں بتاؤ کہ یزید کی بیعت ہم نے کی کہ عبداللہ ابن عمرؓ نے، عبداللہ بن عباسؓ نے، سیدنا حسینؓ کے بھائیوں نے، حضرت عقیلؓ کے بیٹوں نے، حضرت جعفر طیارؓ کے بیٹے نے۔ سیدنا حسینؓ کے بہنوئی نے ہمارا کیا قصور ہے؟ یہ بتانا جرم ہے تو یہ جرم ہم کرتے رہیں گے۔ اور نہ ہی ایسا جرم ہے کہ اس کے بتانے سے ہم رک جائیں۔ رک نہیں سکتے۔ یہ قافلہ بڑھے گا۔ بہت دور تک جائے گا۔ اور یہ تمہارا دامِ تزویر اور یہ لکھنؤ، ملتان کے بدمعاشوں کی بدمعاشیاں ہم ختم کر کے دم لیں گے۔ انشاء اللہ!

ہمارے بزرگوں نے ہمیں اسی راستے پر چلایا ہے۔ صحیح راستے پر چلایا ہے۔ استقامت عطاء فرمائی ہے۔ نہ تمہارے جبر و تشدد کا ہمیں کوئی ڈر ہے نہ تمہارے پیسوں کی کوئی لالچ ہے۔ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اس سے۔۔۔۔۔ اس بات سے تعلق ہے کہ بات کب پہنچتی ہے؟ کس کو پہنچتی ہے؟ کس طرح پہنچتی ہے؟ کون پہنچاتا ہے؟ کس طرح پہنچاتا ہے؟ تم ہمیں یزیدی کہو یہاں ہمارے سامنے آ کے کہو۔ ہم تمہیں بتائیں گے کہ یزیدی کون ہے؟ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سفر کربلا میں سات مرتبہ کہا کہ میں یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوں۔ میرا راستہ خالی کرو میں جاتا ہوں۔ بتاؤ یزیدی کون ہوا؟

تم نے کیا پراپیگنڈہ کیا کہ۔۔۔ اسلام ڈوبا جا رہا تھا، حضور ﷺ کی سنتیں مٹتی جا رہی تھیں، دین مٹا جا رہا تھا، لوگ بدمعاش ہو گئے تھے، حکمرانوں نے ایرانیوں جیسا کام شروع کر رکھا تھا۔

کہاں ہے یہ اور کس معتبر روایت میں ہے؟

بہرحال اس مسئلہ کے جواب میں سیدنا حسین کے بھائی سیدنا محمد بن علی کی بات وزنی ہے۔ اکیلا آدمی تمہاری مت سنیں۔ سنیت کے لئے یہ تین کافی ہے۔ تمہارے لئے تو آسان ہے سب کا انکار کرنا۔ سب کو یزیدی کہہ دینا ان کو بھی کہو۔ وہ فرماتے ہیں:

اقمت عنده خمس سنين۔

"میں یزید کے پاس پانچ برس رہا ہوں"

وجدته مواظبا على الصلوة۔

"میں نے اس کو نمازوں کا پابند پایا"

قائماً بالسنة۔

"سنت کو قائم کرنے والا پایا۔"

عالماً بالفقه۔

"میں نے اس کو فقیہہ پایا" یہ عبارت البدایہ والنھایہ میں موجود ہے۔ اس کو پڑھو۔ بار بار پڑھو۔ تاکہ تمہارا ایمان درست ہو۔ تمہارے مغازی درست ہوں۔ اور تمہاری زبان درست ہو جو بگڑ چکی ہے۔

زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دھن بگڑا!

اپنا قبلہ درست کرو اور محمد بن علیؓ کی بات پڑھو۔ یہ جتنے مولوی ہیں، چکوال کے، اچھرے کے، راولپنڈی کے، ملتان کے، کراچی کے ادھر اُدھر کے یہ جتنے گھومنے والے لٹو ہیں ان کو رسی باندھو۔ پھر چلاؤ ان کو دیکھو صحیح چلیں گے۔ یہ بات تاریخ کی ہے عقیدہ کی نہیں۔ واقعہ ہوا ہے تاریخ کا، تم نے اس کو عقیدہ میں شامل کرلیا ہے۔ پھر اس کی حمایت میں دور دراز کار کہانیاں کہاں سے کھینچ لاتے ہو۔ ہم نہیں سننا چاہتے۔ نہ ماننا چاہتے ہیں۔ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں۔

جناب محمد بن حنفیہ کے متعلق، جناب مولا علی نے حسنؓ و حسینؓ کو وصیت کی تھی کہ اس کا دھیان رکھنا۔ یہ بھی اسی البدایہ والنھایہ میں ہے۔ اور یہ بھی البدایہ والنھایہ میں ہے کہ یزید نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اونٹنی کے متعلق:

هي مامورة۔

یہ میری اونٹنی اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ جہاں اللہ کا حکم ہوگا وہاں یہ بیٹھے گی۔ اور یہ جناب سیدنا ابوایوب انصاری میزبانِ رسول رضی اللہ عنہ کے مکان پر بیٹھی۔

حضرت ابوایوب انصاری قسطنطنیہ پر حملے کے غزوے میں گئے۔ بیمار پڑ گئے۔ اور موت نے آن لیا۔ انہوں نے وصیت کی کہ یزید میرا جنازہ پڑھائے۔۔۔۔۔ یہ میں نے تو وصیت نہیں کی یہ مولوی صاحبان کو دکھائی نہیں دیتا اور یہ بھی اسی البدایہ والنھایہ میں لکھا ہے کہ جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزیدی فوج میں تھے۔ قسطنطنیہ پر حملے کے وقت۔۔۔۔ دیکھو پڑھو۔ ہم بھی پڑھتے ہیں تم بھی پڑھو۔۔۔۔ یا ہم سے پڑھو۔ ہم سے سیکھو۔۔۔۔ یہ عقل

کا دور ہے، شعور کا دور ہے۔ شعور کو جگانا ہمارا کام ہے ہم شعور کو زندہ کریں گے۔ ہم تمہیں یہ بتائیں گے کہ تاریخ میں کیا لکھا ہے۔ تمہاری جھوٹی "تقدیس" پارہ پارہ کریں گے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں ۹ تاریخ کو آخری مرتبہ یہ بات کہی میں سیدھا شام جاتا ہوں۔ یزید سے گفتگو کرتا ہوں:

"ان اضع یدی علی یدیزید فھو ابن عمی"

میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھتا ہوں وہ میرے چچا کا بیٹا ہے۔۔۔۔ یہ میں نے تو نہیں کہا۔ میں نے تو بتایا ہے بتانے اور کہنے میں بڑا فرق ہے۔ تم چھپاتے ہو میں بتاتا ہوں۔ بس اتنا فرق ہے۔ شیعوں کے گرو ساجد نقوی کا چچا گلاب شاہ بیٹھا ہے۔ اس گلاب دیوی ہسپتال کے انچارج کے پاس جاؤ اس سے پوچھو کہ یہ تاریخ میں ہے یا نہیں تم اس کا انکار کر سکتے ہو۔۔۔۔؟ تم نام نہاد اہلِ حق بنتے ہو حق الاٹ کرا چکے ہو اپنے نام۔ تمہیں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں چھپ کے نہیں کہتا، تاریخ میں لکھا ہے اور شیعہ سنی سب کی کتابوں میں لکھا ہے۔ قبروں کو "جپھیاں" ڈالنے والے اور گھوڑے کے نیچے سے گزرنے والے مولوی اور ان کے حواری سامنے آئیں اور جرأت سے بات کریں۔ وہ اپنے گلے کی گراریاں گھمائیں اور بتائیں کہ یہ واقعہ تاریخ میں ہے کہ نہیں۔ اور جناب دل پہ ہاتھ رکھ کر سنیئے۔ جناب سیدنا عبداللہ ابنِ عمرؓ نے نے سیدنا عبداللہ ابن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ کو فرمایا:

قال اتقیا اللہ۔

دونوں اللہ سے ڈرو۔

ولا تفرقابین جماعۃ المسلمین۔

اور مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ مت ڈالو۔

اتقیا تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ۔ اتقیا اللہ دونوں اللہ سے ڈرو۔ **ولا تفرقا** مت پھوٹ ڈالو۔

بین جماعۃ المسلمین۔

مسلمانوں کی جماعت میں۔ یہ کس نے کہا؟ عبداللہؓ ابن عمرؓ نے کس کو کہا؟ عبداللہ ابن الزبیرؓ کو اور حسینؓ بن علی کو۔ یہ بات عمر کا بیٹا ہی کہہ سکتا ہے یہ انھی کی جرأت بسالت ہے۔

میں تو تینوں کا غلام ہوں میں تو ان کی بارگاہ کا کفش بردار ہوں۔ میری تو کوئی حیثیت نہیں۔ حیثیت تو ہے عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی جن کو شیخ الصحابہ اور فقیہ الصحابہ کہا گیا۔

جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو امت نے اعزازاً صحابی مانا ہے صحابہ کے درجات میں آپ کا وہ مقام نہیں ہے جو سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ کا ہے۔ ہمت ہے تو سیدنا عبداللہ ابنِ عمر کو گالی دو۔ کیونکہ بڑے یزیدی تو وہی ہیں۔ اور بعد میں ہمیں بھی دے لو۔۔۔ منظور ہے۔

میرے ابا کو تو ان ملتانیوں نے ۱۹۳۳ء میں گالیاں دیں۔ ۱۹۳۳ء میں جھنگ والوں نے گالیوں کا مرقع شائع کیا۔ جرم کیا تھا۔۔۔۔ کہ ان واقعات کو طشت از بام کیا۔ حقائق کھولے تمہاری رام لیلا کی داستانیں جو تم نے گھڑ رکھی ہیں ان کو ننگا کیا۔ ان کے تارو پود بکھیرے۔ ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ تمہارے خود ساختہ حسین اور واقعہ

کربلا کے جھوٹ کا پول کھول دیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ۱۹۶۲ء میں ہم نے ملتان میں یومِ معاویہؓ منایا تو ایک پرانا، پھٹا ہوا تعزیے کا غول جا رہا تھا کہنے لگے "او۔۔۔۔۔ لعین کا لڑکا لعین جا رہا ہے" ہم نے سنا، اب بھی کھو سنیں گے لیکن یہ بتائیں گے کہ عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ کہا، انہوں نے یزید کی بیعت کی، محمد بن علیؓ المعروف محمد بن حنفیہ نے بیعت کی نعمان ابنِ بشیرؓ نے بیعت کی۔ بیعت کرنا اگر جرم نہیں ہے تو بتانا کیسے جرم ہے؟ تم میں اگر ہمت ہے تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو کچھ کہہ کر دیکھو۔ پھر دیکھو تمہارا حشر کیا ہوتا ہے۔ عبداللہؓ ابن عباسؓ کو جو سیدنا حسینؓ کے چچا جان ہیں۔ جناب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چچا کے بیٹے ہیں۔ راس المفسرین ہیں۔ یہ مقام ہے ان کا بہت بڑے آدمی ہیں صحابہ میں۔ انہیں بُرا کہو تم نام نہاد دیوبندی اسلاف دیوبندی کے تاجر خصوصاً میرے مخاطب ہو پھر دیکھو لعنت تم پر چاجوں برستی ہے کہ نہیں۔ پھر کہتا ہوں جناب میں نے بیعت نہیں کی۔ میں نے یزید کا زمانہ نہیں پایا۔ میرا وہ دوست نہیں تھا۔ میں اس کے پاس نہیں رہا۔ نہ اس سے مجھے پیسے ملتے تھے، نہ زمینیں ملیں، زمین سیدنا زین العابدین کو ملی، سرمایہ انہیں ملا، چالیس دن یزید کے گھر میں وہ رہے اور کیا تم بتا سکتے ہو کہ جناب سیدہ زینب رضی اللہ عنھا کا انتقال کہاں ہوا؟ بتا سکتے ہو۔۔۔۔؟ کیا مدینہ میں؟ (ایک آواز دمشق میں) کیوں کیا کرنے گئیں تھیں وہاں یہ۔۔۔؟ تم تو کہتے ہو جناب ایک خبیث اٹھا اور کہنے لگا یہ زینب مجھے دے دو۔ یہ مالِ غنیمت ہے۔

استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔

تمہیں یہ کہتے ہوئے، بیان کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔۔۔ نہیں ہوا ایسے۔ کسی نے کچھ نہیں کہا۔ کوئی دربار نہیں تھا۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے،۔۔۔۔۔۔ اگر میں غلط کہتا ہوں تو دلیل کے ساتھ میری جہالت دور کرو۔ نقشے میں وہ جگہ بتاؤ جہاں امویوں کا دربار تھا۔ ورنہ میں بتاتا ہوں کہ وہ اسی مسجد میں بیٹھتے تھے۔ جناب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اور یہ بیچارا یزید بھی۔

ایک مقصورہ ابا جان نے بنوایا۔ ایک مقصورہ اس نے بنوایا اپنی حفاظت کے لئے دونوں مقصورے آج تک موجود ہیں۔ آج تک تمہاری تاریخ کا اور تمہارے قصے کہانیوں کا منہ چڑا رہے ہیں۔ اور تمہارے منہ پر تھپڑ مار رہے ہیں۔ جس واقعہ حرہ کو یہ جاہل مولوی اور تاریخ کے جانب دار اور نام نہاد طالب علم کہتے ہیں کہ جناب حرہ ہوا، تین دن تک مدینے کو حلال کیا گیا۔ یہ ہوا اور وہ ہوا، کہتے ہونا سنو!۔۔۔ انہی عبداللہ ابن عمرؓ نے:

جمع بناہ۔

اپنے بیٹوں کو جمع کیا۔

وجماعات من اھل بیت النبوۃ"

اور اہلِ بیت نبوۃ میں سے جماعتوں کو جمع کیا ایک کو نہیں، دو کو نہیں جماعات کو جمع کیا اور کہا۔

"خبردار تم میں سے کسی نے یزید کی بیعت توڑی" تو میرا اس کے ساتھ یہ آخری دن ہوگا۔ جناب! میں سچ بولتا ہوں اور سچ بتاتا ہوں اس لئے کہ میں گھوڑے کے نیچے سے نہیں گزرا۔ اوپر بیٹھا ہوں۔ میں نے چالیس میل گھوڑے پر ایک دن میں سفر کیا ہے۔ الحمدللہ میں گھوڑے کا سوار ہوں۔ محتاج نہیں ہوں۔ گھوڑا میرا محتاج ہے۔ میرے ہاتھوں میں تھامی ہوئی لگام کا محتاج ہے۔ میری رکاب کا محتاج ہے۔

یہ بھی ابن کیثر کی البدایہ میں موجود ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ دھوکہ ہوا۔ وہ دھوکہ کھا گئے۔ بھی دھوکہ کھا گئے اور بھئی بھی۔ پینتیس صحابہ نے آپ سے کہا کہ مت جائیں اس سفر کو ملتوی کر دیں۔ رافضیوں کی کتب میں موجود ہے کہ "عبداللہ ابن عمر برنام ناقہ اش جسپید" کہ عبداللہ ابن عمر سیدنا حسین! کی اونٹنی کی لگام سے لپٹ گئے۔ (کربلا میں سیدنا حسینؓ گھوڑے پر نہیں اونٹنی پر سوار تھے) اور لپٹ کے کہا جانِ برادر! تم دیکھو تمہارے باپ کے ساتھ ان کے شیعوں نے کیا کیا۔ تمہارے بھائی کے ساتھ کیا کیا۔ اور میں تمہیں خون میں لت پت دیکھ رہا ہوں۔ تم مت جاؤ۔ اگر جانا ہی ہے تو بچوں کو، بیوی کو، بہنوں کو مت لیجاؤ" اب آپ بتائیں کہ صحابہ غلط تھے؟؟ ہمت ہے تو کرو جرأت صحابہ کو غلط کہو تو ذرا مجھے گالیاں دینے سے پہلے صحابہ کو دیکھ لو۔ میں نے کوئی نیا مسلک اور نظریہ ایجاد نہیں کیا۔ میں تو صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتا ہوں۔ اور آپ کو اسی پر چلنے کی دعوت دیتا ہوں۔ خود ہی فیصلہ کر لو کہ سیدنا حسینؓ کی رائے سے اختلاف رکھنے والے صحابہ کو کیا کہو گے؟ میں ہرگز یہ نہیں کہتا میرا مؤقف تو یہ ہے کہ صحابہ سب کے سب سچے اور راشد ہیں۔ ان کو غلط اور باطل کہنے والے خود غلط بلکہ حرفِ غلط ہیں۔

جناب سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جو صفِ اول کے صحابہ میں سے ہیں وہ منع کرتے ہین لیکن کوفیوں کا دھوکہ جو دعوت کی صورت میں تھا کہ جناب "ہم آپ کے غلام ہیں، زمین سرسبز ہے۔ پھل پک چکا ہے۔ آپ کے سوا ہمارا کوئی امام نہیں۔

انت الامام۔

آیئے اور اپنی جگہ تشریف رکھیئے"۔ مگر سیدنا حسین نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی جو عمر میں سیدنا علی کی مثل تھے اور رتبہ میں سیدنا حسین سے سینکڑوں درجہ بلند۔ صحابہ کہتے ہیں کہ حسینؓ آپ کے شیعہ جھوٹے ہیں۔ پھر حسینؓ نے ان کی بات کو مان لیا؟ سیدنا حسینؓ نے اجتہاد کیا اور اُمت نے ان کے اس اجتہاد پر تصویب کی۔ کسی کو جرأت نہیں کہ ان کے اجتہاد پر انگلی رکھ سکے۔ اور اسے غلط کہے۔ اسی طرح صحابہ کے اجتہاد پر بھی انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔ اگر کوفے کی طرف جانا اجتہاد تسلیم کیا جائے گا تو واپسی کی گفتگو بھی اجتہاد تسلیم کی جائے گی۔ جیسے ہم نے سیدنا حسینؓ کو مجتہد مانا اسی طرح باقی صحابہ کو ان سے بڑا حقیقی مجتہد جانا۔ سیدنا حسین حکماً صحابی ہیں۔ انہوں نے بڑے صحابہ کی بات نہیں مانی اور ذاتی اجتہاد کو اولیت دی! سیدنا حسینؓ کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ ہے کہ جن کوفیوں نے آپ کو خط لکھے تھے انہوں نے خط حاصل کرنے کے لئے خیمے جلا دیئے۔ لوٹ کھسوٹ کی کہ یہ کہیں عبیداللہ کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ وہ خطوط دعوت عبیداللہ کے ہاتھ آجاتے تو ان کی خیر نہیں تھی جو خطوط نویس تھے داعی تھے۔ ایک روایت ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد نے فوج کا لشکر بھیجا اور آپ کو مجبور کیا کہ وہ عبیداللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ جناب سیدنا حسینؓ نے فرمایا تیرے ہاتھ پر یزید کی بیعت نہیں ہو سکتی۔ اور بات میں سے بات آگئی کہ یہ جمہوری سسٹم اگر صحیح ہے یہ طریقہ درست ہے اور اسلام کے مطابق ہے تو پھر کربلا کا واقعہ جس انداز میں بیان کیا جاتا ہے وہ شیعہ کے نزدیک سچا کیوں؟ سنیوں کے نزدیک سچا کیوں؟ پھر جمہوریت تو ساری معاذ اللہ یزید بن معاویہؓ کے ساتھ تھی۔ سیدنا حسینؓ کے ساتھ تو جمہوریت نہیں تھی۔ ان کے سگے بھائی بھی ساتھ

نہیں تھے۔ چیلنج ہے میرا۔ ان کے متعلق فتویٰ دو وہ کیا ہیں؟ سیدنا حسینؓ کے چچے کا بیٹا ساتھ نہیں ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ سیدنا حسینؓ کے ساتھ نہیں ہیں۔ عبداللہؓ ابن عباسؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سیدنا حسینؓ کے ساتھ نہیں ہیں۔ نکالو کہیں سے چھپا ہوا فتویٰ، مارو خنجر اور فتویٰ دو! اگر جمہوریت تمہیں پسند ہے تو پھر صحابہؓ کرام سیدنا حسینؓ کے ساتھ نہیں ہیں۔ سارے یزید کے ساتھ ہیں۔ میں تو کہتا ہوں ہاتھ بھی جوڑتا ہوں ایک صحابی سیدنا حسینؓ کے ساتھ دکھا دو منہ مانگا انعام دوں گا۔ تلاش کرو۔ جاؤ ان مولوی صاحبان کی خدمت میں اور درخواست کرو کہیں سے ڈھونڈو۔ تاریخ کے اوراق کھولو۔ تاریخ کی بات ہے نا۔۔۔! عقیدہ کی بات نہیں ہے۔ عقیدہ تو ہمارا یہی ہے کہ وہ صحابیٔ رسول ہیں ہمارے پیشوا ہیں۔ جیسے ابو سعید خدریؓ صحابی ہیں ویسے ہی سیدنا حسینؓ صحابی ہیں۔ انہوں بھی اجتہاد کیا۔ انہوں نے بھی اجتہاد کیا۔ دونوں برحق ہیں دونوں سچے ہیں۔ دونوں صحیح ہیں۔ جو نہیں گئے وہ بھی سچے ہیں۔ جو گئے وہ بھی سچے ہیں۔ ہر صحابی مجتہد مطلق ہے۔ اور کوئی غیر صحابی کسی صحابی پر تنقید کا حق نہیں رکھتا۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے اس سے آگے کی بات نہیں ہے۔ اس سے آگے تاریخ کی بات ہے کہ انہوں نے بڑے صحابہ کی نصیحت نہ مانی اور والد ماجدؓ کے دوستوں کی بھی ایک نہ مانی۔۔۔۔ جمہوریت، جمہوریت۔۔۔۔ کہاں ہے اسلام میں جمہوریت۔

تم کہتے ہو یہ جہاد تھا۔ اسلام مٹ رہا تھا۔ اسلام کو جناب حسینؓ نے کربلا میں زندہ کیا۔ نہیں ہے یہ بات، نہ یہ جہاد تھا اور نہ ہی اسلام مٹ رہا تھا۔ یہ تمہاری گھڑی ہوئی کہانیاں ہیں۔ تمہارے گھڑے ہوئے قصے ہیں۔ بات وہی ہے جو سیدنا حسینؓ نے خود فرمائی۔ اور وہی قولِ فیصل ہے۔ آپ نے فرمایا ہے۔

"ان لی بالعراق حکومة"

"کہ مجھے حکومت کی دعوت دی گئی" اور میں سمجھ رہا تھا کہ عراقی مجھے حکومت دیں گے۔ لیکن اب میرے دونوں بھائی قتل ہو گئے۔ مجھ پر عیاں ہو گیا کہ جو صحابہؓ کرام اور میرے ساتھی کہتے تھے وہی میرے ساتھ ہوا۔ اب تم۔۔۔۔۔

فانصر فوا مِنّی یمیناً وشمالاً"

دائیں بائیں جہاں چاہے چلے جاؤ۔ کیوں فرمایا یہ۔۔۔۔؟؟

اور یہ فلسفہ جو تم نے گھڑ رکھا ہے کہ:

"ابتداء اسماعیل ہے انتہا حسین"

یہ کیسے؟ مجھے پوچھنے کا حق تو دو کہ یہ بھی چھیننا چاہتے ہو۔ سوال یہ ہے کہ اگر ابتدا اسماعیل اور انتہا حسین ہے اور کربلا کا واقعہ ایسے ہی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے جناب سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا:

"فلما اسلماوتله للجبین"

دونوں میں بات طے ہو گئی اور انہوں نے زمین پر لٹا دیا۔ پھر کیا ابراہیم علیہ السلام کو تم میں سے کوئی ظالم کہتا ہے؟ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو کوئی مظلوم کہتا ہے؟ کیوں نہیں کہتے؟ کہو نا۔ مجھے سوال کا حق ہے اور میں ایسا سوال کروں گا جو تمہارے خرمنِ باطل کو جلا کے رکھ دے۔ گھوڑا برادران "آل الفرس" تمہارے لئے کوئی رعایت نہیں کر سکتا۔

کان کھول کر سن لو۔ اور تم سنیوں میں سے بھی جو آدمی روافض کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہے اس کو معاف نہیں کر سکتا۔ یہ دوسرے درجے کا ایمان ہے۔ پہلے درجے کا نہیں۔ میں برائی کو مٹا نہیں سکتا لیکن برائی کے خلاف زبان چلاتا ہوں تم بھی چلاؤ، کرو مزاحمت مار کھاؤ جیسے ہم کھا رہے ہیں۔ آزما کے دیکھ لو۔ جب بھی تم دین پر عمل کرو گے سب سے پہلے گھر سے دشمنی پیدا ہو گی۔ پکے سچے سنی حنفی اپنے ہی گھر میں مخالفت کریں گے۔ بیوی مخالف ہو جائے گی، بچے کہیں گے "ابا جی، آپ نے یہ کیا شروع کر رکھا ہے" گھر میں معاویہؓ کا نام لو، یزید کا نام لو، حسینؓ کا نام لو، جو بھائی سیدنا حسینؓ کے ساتھ نہیں گئے ان کا نام بھی لو۔ دیکھو گھر میں فساد پڑتا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ زنگار لگے ہوئے مدت ہو گئی ہے۔ اتارتے ہوتے بھی عرصہ لگے گا۔ شیعہ کی روایات اور محرم کی دسویں کی خرافات سے متاثر مت ہوں۔ میرا ایک دعویٰ ہے اور الحمد للہ اپنے بزرگوں سے سینہ بسینہ منتقل ہوا وہ آپ کو سناتا ہوں۔ یہ جتنی روایتیں دسویں تاریخ کی بیان کی جاتی ہیں ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ ہمت ہے تو آجاؤ دو گھنٹے روز کے نکالو ایک ہفتے میں نچوڑ نکال دیتا ہوں۔ بلکہ نچوڑ کے رکھ دیتا ہوں۔ انشاء اللہ۔

"جلاء العیون"

پڑھ لو۔ ایک عباس قمی کو ہی پڑھ لو۔ اسی طرح البدایہ والنہایہ کو پڑھ لو اور ہماری جان چھوڑ دو۔ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ ہمیں گالی مت دو۔ پہلے گالی اس کو دو جس نے یزید کی بیعت کی اور اس کے بعد ہمیں بھی دے لو چلو۔۔۔۔!

قبول است گرچہ ہنر ہست

اگر جرأت ہے تو پہلے علیؓ کے بیٹے حسینؓ کے بھائی کو گالی دو۔ عبد اللہؓ بن جعفر طیارؓ کو گالی بکو۔ پھر مجھے بھی دے لو۔ بالکل درست ہے۔ اور یزید کی بیوی عبد اللہ بن جعفر طیار کی بیٹی کو گالی بکو وہ ہماری ماں ہیں پھر ہمیں بھی بک لو۔ پہلے ماں کو گالی دو پھر بیٹے کو بھی دے لینا۔ ہے جرأت؟ ہے ہمت؟ کھولو زبان ــــــ کیا افسانے سناتے ہو، کیا کہانیاں چھاپتے ہو، کیا ڈرامے اسٹیج کرتے ہو اور یہ سب شیعوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ فلاں کون؟ فلاں کون؟

مختصراً یزید کا ایک ہی جرم نکال سکتے ہو کہ اس نے قاتلانِ حسین کو سزا نہیں دی۔ بس! اگر ایڈمنسٹریشن کا مسئلہ بنائیں تو یہ اس کی اپنی سلطنت کا مسئلہ تھا۔ دفاع کا پہلو نکلتا ہے۔ اس کے باوجود میرا دعویٰ ہے کہ اس نے اس ظالمانہ کارروائی کا کوئی حکم نہیں دیا۔ بے شک جناب سیدنا حسینؓ کے ساتھ ظلم ہوا اور یہ کوفیوں نے کیا۔ انہوں نے بلاوجہ اس بات پر مجبور کیا کہ ان خبیث لوگوں (عبید اللہ ابن زیاد) کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ یہ مشکل کام تھا۔ اور غیرت مند باپ کے غیرت مند بیٹے سے قطعی ناممکن تھا۔ چنانچہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت سے انکار فرمایا اور یزید کے پاس جانے کے لئے راستہ چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ اسی کو بہانہ بنا کر کوفیوں نے انہیں شہید کر دیا۔ اور کیمپ کو لوٹنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ جنہوں نے خطوط لکھ کر انہیں بلایا اور حکومت سنبھالنے کی دعوت دی۔

سیدنا حسینؓ صحابیِ رسول ہیں۔ ان کی بہن صحابیہ رسول ہیں۔ اور باقی بزرگ خاندان کی نسبت عظیم خاندان کی نسبت ہے۔ احترام کی شان موجود ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ وہ ایسے ویسے تھے بالکل غلط ہے۔ تاریخی طور پر میں اس

رائے پر قائم ہوں کہ یزید سیدنا حسینؓ کا مدِمقابل نہیں تھا۔ ہاں عراقیوں کا مدِمقابل تھا۔ وہ عراقی جو سلیمان ابنِ صرد خزاعی کے گھر سازش کرتے رہے۔ جناب سیدنا علیؓ کے زمانہ میں بھی جناب سیدنا حسنؓ کے زمانہ میں بھی اور سیدنا حسینؓ کے زمانہ میں بھی۔ سلیمان ابن صردِ خزاعی بنو خزاعہ کا فرد تھا۔ بڑا سرمایہ دار تھا۔ اس کے گھر میں میٹنگیں ہوتی تھیں۔ اور سب سے پہلے اسی کے گھر سے خط گیا۔ خط لے جانے والا عبداللہ ابنِ وال تھا۔ اور اس خط میں کیا تھا؟ حیران ہوں گے آپ، تعجب ہو گا آپ کو خط میں لکھا ہے:

"حسین تجھے معاویہ کے مرنے کی مبارک ہو۔ اب تو آجا، عراق تیرے لئے سجا ہوا ہے"

یہی خط دراصل قتلِ حسینؓ کی سبائی سازش کا سرِ آغاز تھا۔ انہیں دھوکہ دے کر بلایا گیا اور پھر آلِ رسول کو قتل کر کے اُمت مسلمہ کو گروہوں میں تقسیم کرنے کی یہودی سازش کی تکمیل کی گئی۔

مجھ سے بعض احباب نے سوال کیا ہے کہ آپ اس زہریلے پراپیگنڈے کا جواب دیں۔ جو آپ کے بارے میں عموماً کیا جاتا ہے۔ آپ سیدنا حسینؓ کو نہیں مانتے۔ اگر تو سیدنا حسینؓ کو امام ماننے کا تعلق ہے جن معنوں میں رافضی مانتے ہیں کہ امام اور نبی برابر ہیں تو کان کھول کر سن لو میں نہیں مانتا۔ ہم نے اس معنیٰ میں ابوبکر و عمر و عثمان و علی اور معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی امام نہیں جانا۔ حسینؓ کو کیسے مان لیں؟ قائد، پیشوا، بزرگ مانتے ہیں اور صحابی رسول مانتے ہیں اور نبوت کے بعد صحابیت کا درجہ تمام مراتب سے بڑا ہے۔ امامت سے، خلافت سے، ولایت سے، نجابت سے سب سے بلند ہے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو امت صحابی مانتی ہے۔ ہم بھی صحابی مانتے ہیں۔ ہم اہلِ سنت والجماعت کے فرد ہیں۔ اور ان کو صحابئ رسول ہی کے بلند درجہ پر فائز مانتے ہیں۔ ہمارے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جناب وہ تو یزیدی ہیں یزید کو مانتے ہیں اچھا تو جناب یہ کتاب ہے میرے ہاتھ میں "انساب الاشراف" یہ جناب احمد بن یحیٰی بن جابر البلاذریؒ کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کو لیجاؤ اور ان مولویوں کو دکھاؤ جنہوں نے اپنی جہالت کو چھپانے کے لئے میرے خلاف اتنی لمبی زبان کھول رکھی ہے۔ تم ان کی جہالت کو ننگا کرو۔

انساب الاشراف صفحہ نمبر ۴ پر روایت ہے ذرا سنیئے:

المدائینی عن عبدالرحمٰن بن معاویہ قال! قال عامر بن مسعود الجمحی: انا لبمکة اذ مرّ بنا برید ینعی معاویة فنهضنا الیٰ ابن عباس وهو بمکة وعنده جماعة وقد وضعت المائده ولم یؤت بالطعام فقلنا له یا ابا العباس جاء البرید بموت معاویة فوجم طویلاً ثم قال اللهم اوسع لمعاویة اما والله ماکان مثل من قبله ولایاتی بعده مثله، وان ابنه یزید لمن صالیخی اهله فالزموا مجالسکم واعطوطاعتکم وبیعتکم۔

الانساب الاشراف صفحہ نمبر۴-۳

"مدائنی روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن بن معاویہ سے انہوں نے کہا کہ "عامر بن مسعود جمحی نے بتایا کہ میں مکہ میں تھا کہ حضرت معاویہؓ کی موت کی اطلاع پہنچی۔ پس میں حضرت ابنِ عباسؓ کے پاس گیا اور وہ مکہ میں تھے اور ان کے پاس لوگوں کی جماعت تھی۔ دستر خوان بچھا دیا گیا تھا اور ابھی تک کھانا نہیں لایا گیا تھا تو ہم نے انہیں کہا اے ابنِ

عباس! حضرت معاویہؓ کی وفات کی اطلاع آئی ہے۔ (یہ سن کر) انہوں نے کافی دیر تک سر جھکائے رکھا پھر اس کے بعد کہا اے اللہ معاویہ کے لئے وسعت پیدا فرما۔ بہرحال اللہ کی قسم نہ اس سے پہلے ان جیسا ہے اور نہ ان کے بعد ایسا آئے گا۔ اور بے شک ان کا بیٹا یزید ان کے گھر میں صالح آدمی ہے۔ پس تم اپنی مجلسوں کو قائم رکھو۔ اور تم اپنی اطاعت و بیعت اس کے سپرد کر دو۔"

یہ کس نے کہا؟ عبداللہ ابن عباسؓ نے، میں نے تو بتایا ہے اور بتاؤں گا جب تک جی چاہے گا، چھپاؤں گا نہیں، تم میری بے پناہ مخالفت کرلو ان شاء اللہ میں بتانے سے گریز نہیں کروں گا۔ یزیدی کہتا ہے تو پہلے ان صحابہ کو کھو، پھر ان کے صدقے مجھے کہہ لو۔ میں ان کے جوتوں پر قربان، ان کے قدموں کی دھول پر میرے ماں باپ قربان، ساری امت کے ولی، غوث، قطب قربان، یہ تم پیروں اور گدی نشینوں کے جتنے "خلفائے راشدین" ہیں۔ خلیفۂ راشد فلاں، خلیفۂ راشد فلاں، خلیفۂ راشد حضرت مدنیؒ، قاضی مظہر چکوالی اور ابوالاعلیٰ مودودی جیسے مولوی سب کے سب حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے جوتے پہ قربان۔ کٹ تو سکتا ہوں مگر ان صحابہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ عبداللہ ابن عباس کو چھوڑ دوں تو میرا ایمان جاتا ہے۔ نبی کے بعد قرآن کی تفسیر جاتی ہے۔ نبی نے دعائیں دیں۔ ان کے سینے پر پھونک ماری، اور ہاں وہ صحابہ بدر کے ساتھ سیدنا عمر ابن الخطابؓ کی شوریٰ کے ممبر تھے۔ بدر والوں نے اعتراض کیا کہ تم نے ایک لونڈے کو میرے مقابلے میں بٹھا دیا ہے۔ عمر ابن الخطابؓ نے کہا میں اس لڑکے کو لے آتا ہوں جو جی میں آئے پوچھو اس سے۔ یہ تم کو قرآن کے مسائل و معارف بتائے گا۔ یہ وہ عبداللہ ابن عباس ہیں۔ ———— میں عبداللہ ابن عباس کی مانوں گا۔ میں تم سب کو نہیں مانتا، تمہاری باتوں کا انکار بہتر سمجھتا ہوں، اس کی بجائے کہ ان کی بات کا انکار کیا جائے، اتنے بڑے آدمی ہیں وہ اور تم لے آتے ہو اس دور کے بزرگوں کو۔ ابوالکلام نے یہ لکھا ہے، اچھا تو کیا ابوالکلام عبداللہ ابن عباسؓ سے بڑے ہیں۔ مفتی احمد یار نے لکھا ہے تو کیا مفتی احمد یار خان کا رتبہ سیدنا ابن عباسؓ سے بڑا ہے۔ سوچنے کی بات ہے اور جناب ———— یہ رسول اللہ کے چچا کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں۔ صحابیٔ رسول ہیں۔ رئیس المفسرین ہیں۔ کس کی بات معتبر ہے؟ صحابی کی بات یا چودھویں صدی کے فاسق مسلمان کی بات۔ ایک جملہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ "بزرگوں نے فرمایا ہے"۔ بڑا زور لگا لگا کر کہا جاتا ہے، میں پوچھتا ہوں صحابی تمہارے بزرگوں کے بزرگ نہیں ہیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مفتی کفایت اللہ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور جناب مفتی محمود رحمھم اللہ یہ بزرگ ہیں یا صحابہؓ؟ فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم۔

دل کہتا ہے صحابہ بزرگ ہیں شکم کہتا ہے ہندوستانی علماء۔ جو ماننا ہے مان لو!

جناب ان کے بزرگ کون ہیں؟ میں بھی ان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ ان کا احترام کرتا ہوں لیکن صحابہ کا احترام تو خدا نے مانگا ہے۔ تمہارا احترام نہیں مانگا۔ ساڑھے چار سو آیات صحابہ کے لئے اتری ہیں۔ صحابہ کی مدح و منقبت اور فضیلت کے لئے اتری ہیں۔ ہم ان کا بھی احترام کرتے ہیں۔ لیکن صحابہ کی بات آئے گی تو تمام غیر صحابی بزرگوں کا احترام نمبر دو ہو جائے گا۔ اور صحابہ کا احترام نمبر ایک پر آ جائے گا۔

یزیدی کہنا ہے تو عبداللہ ابن عباس کو کہو۔ پھر مجھے کہہ لو، کیا میں نے یزید کی تعریف کی ہے؟ میں نے اس کو اچھا کہا ہے۔ ہاں تم عبداللہ ابن عباس کے مقابلے کا آدمی لاؤ، جو کہے کہ یزید شراب پیتا تھا، زنا کرتا تھا، لونڈیاں رکھتا تھا، کتے پالتا تھا، میں مان لوں گا۔

جناب سنیئے حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد حنفیہ کا جواب ان سے کسی نے کہا یزید شراب پیتا ہے، کہا "اَرَأیت" تونے دیکھا ہے؟ کہا نہیں۔ کہا تونے سنا ہے؟ تجھے اطلاع دی ہے اس نے کہا نہیں اطلاع بھی نہیں دی۔ فرمایا پھر تجھے خدا کا خوف نہیں آتا، یہ کس نے کہا؟ محمد بن حنفیہ نے، انہوں نے کہا اچھا تونے دیکھا بھی نہیں، اطلاع بھی اس نے نہیں دی، تو پھر بھی کہتا ہے کہ وہ شراب پیتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں قرآن کہتا ہے۔

"الا من شهد بالحق وهم يعلمون"

گواہی تو اس کی معتبر ہے۔ جو علم رکھتا ہو اور جو جانتا ہو، نہ تجھے علم ہے، نہ تو جانتا ہے۔ یہ سب کچھ محمد بن علیؓ نے کہا۔ وہ شخص کہنے لگا تیرا خیال شاید یہ ہو کہ ہم تجھے احترام سے نہیں دیکھتے، ہم تیری کمان میں لڑنا چاہتے ہیں، تو محمد بن علیؓ فرمانے لگے کہ سبحان اللہ میں کیوں لڑوں، میں تو نہیں لڑوں گا، وہ کہنے لگا تیرا باپ معاویہؓ سے لڑا ہے کہ نہیں، انہوں نے فرمایا میرے باپ جیسا لے آؤ آج لڑتا ہوں یزید کے ساتھ۔

بات سمجھئے جناب! سیدنا علی ابن ابی طالب جیسا بلند مرتبہ ہو تو یزید کے ساتھ جنگ جاری کی جا سکتی ہے۔ اس نے کہا لوگ تجھ سے نفرت کرنے لگ جائیں گے، جیسے لوگ آج مجھے ڈراتے ہیں کہ شاہ صاحب نہ بتاؤ ورنہ لوگ نفرت کریں گے۔ یہی کہا انہوں نے جناب محمد بن علی کو "نان یتھموک" کہ لوگ مجھ پر تہمت لگائیں گے، اور تجھ سے نفرت کرنے لگیں گے فرمانے لگے کریں، میں یہاں سے چلا جاؤں گا مکہ مکرمہ میں، اللہ کے گھر بیٹھ جاؤں گا، انہوں نے کہا اچھا اپنے ابوالقاسم کو بھیج دے، کہنے لگے سبحان اللہ جو چیز میں اپنے لئے پسند نہیں کرتا اپنے بیٹے کے لئے کیسے پسند کروں؟ ایک بیٹا بھی ساتھ نہیں بھیجوں گا۔

مجھے یزیدی کہنے والو! یزیدی کہنا ہے تو محمد بن علی کو کہو، میں اپنے ماں باپ کو، اپنے آپ کو اور سارے مولویوں کو قربان کرتا ہوں ان کے جوتوں پر۔ وہ بڑے بلند مقام کے انسان ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ جتنا مقام نہیں ان کا مگر کم بھی نہیں ہے۔ ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں۔ پھر ان کو کہنے لگے کہ تو ڈر گیا ہو گا، انہوں نے فرمایا بھلا میں کیوں ڈرتا؟ میں پانچ سال یزید کے پاس رہا ہوں۔ میں نے اس کو شراب پیتے نہیں دیکھا، نمازیں پڑھتا تھا، فقہ میں دلچسپی لیتا تھا، فقیہہ تھا، عالم تھا، پڑھا لکھا تھا، بڑا اچھا آدمی تھا، امیرالحج بنتا تھا، یہ کس نے کہا؟ یہ بھی محمد بن علی رضی اللہ عنہما نے کہا۔ جناب حسین کے بھائی نے، اب فتویٰ پہلے ان پر لگاؤ، پھر مجھ پر لگاؤ، اگر ہمارا نسب صحیح ہے اورالحمدللہ صحیح ہے ثم الحمدللہ صحیح ہے تو پہلے ہمارے دادا سیدنا علی کو گالی دو، پھر ہمیں گالی دو، بزدل وعظ فروشو، قلم کے تاجرو، تم ہمت تو کرو پھر دیکھو تمہارا حشر کیا ہوتا ہے؟ میرا ایک سوال ہے جواب آپ کے ذمہ ہے کہ جب یزید کی فوجیں مدینہ طیبہ میں آئیں تو حضرت زین العابدین کہاں تھے؟ کیا کرتے رہے تھے؟ یہ میرا سوال ہے۔

جناب حضرت زین العابدین جن کا نام علی ہے، جو حسین کے بیٹے ہیں، جو کربلا کے واقعہ میں موجود تھے، اور

چوبیس برس کے تھے، ان کا لڑکا محمد باقر تین برس کا تھا، جن کو تم امام باقر کہتے ہو، یہ امام باقر تین برس کے تھے اور ان کی والدہ ماجدہ کربلا میں تھیں، ان کے والد ماجد کربلا میں تھے، اس واقعہ میں موجود تھے۔ عینی شاہد ہیں۔ ان کی رائے ان کا کوئی ایک قول تاریخ کی صحیح روایت سے یزید کے خلاف لے آؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

سیدنا علی بن حسین المعروف زین العابدین یزید کے ساتھ تھے

یہ موضوع جتنا طویل ہے تاریخ میں اتنی ہی گرد اس پر جمی ہوئی ہے۔ اس گرد و غبار کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ اور لوگوں کو اصل صورت حال اور حقیقت حادثہ کربلا سے روشناس کرانا وقت کا تقاضا ہے۔ زندگی باقی رہی تو اس موضوع پر مزید گفتگو آئندہ مجلس میں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر

مصنف: مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی۔ مقدمہ: مفکرِ اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

- واقعہ کربلا سے متعلق افسانوی کہانیوں کی اصل حقیقت۔
- تاریخ میں دجل و تلبیس کے حیرت انگیز واقعات۔
- اصحابِ بنو امیہ سے بغض و حسد کے اسباب۔

تاریخ و سیرت سے دلچسپی رکھنے والے ہر باذوق قاری کے لئے انتہائی اہم کتاب۔!

قیمت ۶۰/ روپے

بخاری اکیڈمی، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

○ راوی پبلشرز۔ الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

"الوداع"
(سید محمد طیب بنام عطاء المحسن)

جواں سال------- سید محمد طیبؒ بخاری ---- ۲۸ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۳ھ (۲۰ جون ۹۳ء) بروز اتوار---- گجرات میں دوپہر کے وقت کسی شقی القلب کی گولی کا نشانہ بن گئے۔ رات کو ہسپتال میں انتقال ہو گیا----

انا للہ وانا الیہ راجعون!

ذیل کی تحریر اس حادثہ پر ایک تاثر ہے (ادارہ)

عدم آباد-۲۱ جون (۹۳ء)

السلام علیکم!

بھائی جان میں جا رہا ہوں۔ پھر نہیں آؤں گا۔ آپ میرے اس طرح جانے کو کیا کہیں گے؟

ہو سکتا ہے یہ کہیں-----

طیب کا چراغ ہستی گل ہو گیا۔
طیب کا گل ہستی مرجھا گیا۔
طیب کی شمعِ زندگی بجھ گئی۔
طیب کی بہار زندگی خزاں آشنا ہو گئی۔
طیب کی زندگی دم توڑ گئی۔
طیب کو موت کے کسمساتے ہاتھوں نے اچک لیا۔
طیب لقمۂ اجل بن گیا۔
محمد طیب زیست وے شعلۂ مستعجل بود
طیب ہنستے کھیلتے ہوئے موت کی وادی میں اتر گیا

؎ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کے ماموں زاد

طیب-----اک اُبھرتا ہوا جوان جسم موت کے اتھاہ کنویں میں جا گرا۔

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے!

بھائی جان! میرا مرثیہ لکھیں، مجھ پر افسانہ لکھیں، میرا ماتم کریں، جو جی میں آئے کریں۔ مگر یاد رکھیں سب سے بڑا درس یہ ہے کہ صبر کریں، میرے معصوم بچوں کا حوصلہ جوان رکھیں۔

عقل سوال کرتی ہے یہ کیا ہوا۔
دل کہتا ہے موت تو ٹل نہیں سکتی۔
اللہ نے اس دارالعمل کا انجام یونہی بنایا ہے۔
اس پر یقین رکھیں۔
ہاں، اسی پر یقین رکھیں۔
اور اسی یقین پر جئیں۔
میں دعا کرتا ہوں، آپ آمین کہیں------
اللھم اغفرلی وارحمنی وقنی عذاب النار!(آمین)

والسلام-------
سید محمد طیب بخاری

*

خادم حسین　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　بازگشت

کوثر نیازی
(ہر تھالی کا بینگن)

انسان جب اپنے آپ کو ذرا خوشحال دیکھتا ہے تو خدا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ پھدکنے لگتا ہے۔ آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ مولانا محمد حیات مجھر خیل کوثر نیازی کو نگران حکومت کی وزارت اطلاعات کیا ملی، پر نکل آئے۔ جہاں انہوں نے اپنی وزارت کا حق ادا کرنے کیلئے مخالفین کے خلاف ایسے بکٹٹ اور بے لگام بیانات دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ وہاں وہ بے نظیر کے بارے میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے شرم وحیا اور دین و ایمان کی تمام حدوں کو پھلانگ گئے۔ انہوں نے کہا:۔

"حضرت مریم علیہا السلام کی طرح بے نظیر کی تعریف ممکن نہیں۔ جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کی مکمل تعریف یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ اس طرح میں یہ کہوں گا کہ وہ بھٹو کی بیٹی ہیں۔۔۔۔

(روزنامہ نوائے وقت کراچی (۴) ۱۷ مئی ۱۹۹۳ء)

خدا کی شان! اس عفیفہ خاتون (حضرت مریم علیہا السلام) کی پاکدامنی کی صفائی تو اللہ نے خود بیان کی ہے اور زمانے کی حرافہ بے مثال، بے نظیر بھٹو کی پاکدامنی کی صفائی مجھر خیز کوثر نیازی صاحب بیان کر رہے ہیں۔ جن کا اپنا کردار چھلنی چھلنی ہے۔ مشکوک ہے۔ داغدار ہے۔

سبزی فروش دین فروش و قلم فروش
حرص و ہوا کے شہر کا دیرینہ مال گیر
اس کو کھنگالئے تو مئے ناب کی سڑاند
گھونگھٹ اٹھائیے تو معمائے" بے نظیر"

"تیری شہرت ٹوں میں جٹناں۔ آجاندا اخبار چک کے۔ میری تصویر آئی اے۔ گھر کھان نوں آٹا نئیں۔ تقریراں کردا پھردا۔۔۔۔"

یہ یہی وہ الفاظ جو محلہ راج گڑھ لاہور کے ایک کرائے کے مکان سے اکثر سنائی دیتے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب کوثر نیازی۔ جماعت اسلامی پنجاب کے جنرل سیکرٹری، ہفت روزہ شہاب کے ایڈیٹر اور عالمگیر مارکیٹ، شاہ عالمی لاہور کی مسجد کے خطیب تھے۔ "ملاں" نامی آدمی اپنے کھردرے انداز میں اذان دیا کرتا اور کوثر نیازی تقریر کرتے۔ نیازی صاحب کا وہ دور کچھ حد تک خلوص کا دور تھا۔ ان ہی دنوں نیازی صاحب نے غالباً مال روڈ لاہور کے "پلازا" سینما کی انتظامیہ پر مقدمہ قائم کیا تھا۔ کہ گندی اور فحش فلموں اور گانوں سے معاشرے میں اخلاقی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ انہیں بند کیا جائے۔ نیازی صاحب ان دنوں گھٹنے نکلے ہوئے پائجامے اور پھٹی ہوئی جیب والی اچکن کے ساتھ

بعض اوقات پیدل چل کر راج گڑھ سے شاہ عالمی پہنچتے۔ پھر اس کے بعد ایوب خاں کے دور میں نیازی صاحب مفتی محمود اور غلام غوث ہزاروی کے ساتھ۔ متحدہ محاذ میں نظر آئے۔ اور ایوب خان کا "لسانی ریوالور" اور بعد میں ذوالفقار علی بھٹو کی "شرعی شکل" کا نام کمایا۔ بھٹو پر ایک ضخیم کتاب بھی لکھی۔ جماعت اسلامی سے نکل کر ذوالفقار علی بھٹو کی صف میں کھڑے ہونے تک نیازی صاحب نے کئی قلابازیاں کھائیں۔

حرم میں زہد و طاعت میکدے میں شاہد و مینا
ارے صاحب! پیر مغاں یوں بھی ہے اور یوں بھی
اداکاروں سے لے کر واعظوں کی آپادھاپی تک
خطیب شہر ایسا بدزباں یوں بھی ہے اور یوں بھی

اور پھر ایک دن کوثر نیازی بحیثیت وزیر اطلاعات۔ گئے دور کے "لائل پور" شہر کی پیپلز پارٹی کے ایک انتخابی جلسے میں اپنے مربی ذوالفقار علی بھٹو کی تعریف میں یوں رطب اللسان تھے۔

"مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سورج ہیں اور ہم اس کی کرنیں ہیں۔ وہ سمندر ہیں۔ ہم اس کی لہریں ہیں۔ وہ پھول ہیں۔ ہم اسکی پتیاں ہیں"

اتنے میں سٹیج کے عقب سے ایک شخص نے آواز لگائی: "بھٹو دیگ ہیں اور آپ اسکے چمچے ہیں" اس طنز پر پورا جلسہ کشت زعفران بن گیا۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں پیپلز پارٹی کی طرف سے کوثر نیازی جس حلقے سے منتخب کرائے گئے۔ وہ مرزائی طاقت و رسوخ کا حلقہ تھا۔ کوثر نیازی رات کی تاریکیوں میں قادیانیت کے بانی کمانڈ کے کرنل لارنس تھے۔ ان دنوں انہوں نے اپنے ہفت روزہ شہاب میں دو سال تک جماعت اسلامی شورش کاشمیری اور دایاں بازو کے بعض راہنماؤں سے متعلق جوڑ توڑ خائی کی اور جس طرح خرافات و مغلظات کا انبار لگایا وہ سب کچھ قادیانی امت کے بوچڑ خانے میں تیار ہوتا رہا۔

اجہل و مجہول لیکن ایں و آں سے بے خبر
اس کی خوبی یا برائی افتراء و اتہام
بوالہوس عیاش نیچہ بند خائن خود فروش
ایک خانہ زاد پیغمبر کی امت کا غلام

آخر شورش کاشمیری نے اپنے ہفت روزہ "چٹان" کی اشاعت مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء میں کوثر نیازی کو ان الفاظ میں دعوت مباہلہ دی کہ

"کوثر نیازی آؤ اللہ کی اس کتاب پر فیصلہ کرلو"۔

"کوثر نیازی نے پیپلز پارٹی کے دامن میں پناہ لے کر گندگی کی ایک ایسی مہم شروع کر رکھی ہے کہ اخلاق و دین کے تمام مسلمات کو آگ لگا دی ہے۔ خدا کا خوف اس شخص کے وجود سے خارج ہو چکا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ گالی گفتار بہتان افتراء اور بدمعاشی و اوباشی کے اس پیکر متحرک میں اتنا حوصلہ کیسے پیدا ہوا؟ حکومت اسے کچھ کہنا نہیں

چاہتی اور ہم اس کے اسباب سے واقف ہیں۔ اس رذیل انسان کا ایک ہی جواب ہے کہ اسے کوئی جواب نہ دیا جائے۔ اس کے نزدیک ماں بہن بیٹی کا تصور ہی نہیں۔ دوسروں کی ماں بہن بیٹی کو گالی دیتے ہوئے اسے شرم نہیں آتی اور اپنی ماں بہن بیٹی کے بارے میں جواب آں غزل پر اسے غیرت نہیں آتی۔ نتیجتاً ہم اعتراف کرتے اور سپر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم سپرانداز ہوں ہم کوثر کو دعوت مباہلہ دیتے ہیں وہ قرآن مجید کی آیت کے مطابق اپنے اہل و عیال لے کر خانہ خدا میں آئے ہم بھی بال بچوں سمیت حاضر ہوتے ہیں اللہ کی کتاب کو گواہ بنا کر اپنے تمام بچوں کی زندگی پر قسم کھائیں کہ وہ یہ نہیں تھا اور نہیں ہے۔ ہمارے الزامات اس کے خلاف یہ ہیں کہ:

وہ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی کے اکابر کی مخبری اور جاسوسی کرتا رہا ہے۔ اس صلے میں اس نے ضلعی حکام سے لے کر گورنر اور صدر ایوب تک سے فوائد حاصل کئے مثلاً لائسنس لے کر فروخت کئے۔ خفیہ روپیہ مختلف مدوں میں حاصل کیا۔ روٹ پرمٹ لئے اور ان سے لاکھوں روپیہ کمایا۔ جب موجودہ حکومت نے خالی خولی روٹ پرمٹ ختم کرنے کا فیصلہ کیا تو قبل از وقت اطلاع پاتے ہی تمام روٹ خطیر رقم لے کر فروخت کر ڈالے۔ جلسوں میں شرکت کے دام کھرے کئے۔ اس طرح بڑی بڑی رقمیں پیدا کیں۔ جس سے قرض لیا اسے واپس نہیں کیا۔ جن مطابع میں "شہاب" چھپوایا بیشتر کی رقمیں کھا گیا۔ لاہور انٹرنیشنل ہوٹل میں شرمناک حد تک رنگ رلیاں مناتا رہا۔ دلال کے فرائض انجام دیئے۔ سید مودودی اور جماعت اسلامی کی مخبری کے لئے صدر ایوب سے بالواسطہ و بلاواسطہ ائیر ٹکٹ لے کر کعبتہ اللہ اور مدینتہ النبی ﷺ جاتا رہا۔ شراب گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ زنا کا چسکہ ہے۔ قوم لوط کا فعل شنیعہ جزوفطرت ہے۔ معکوس عادت بھی ہے۔ پیپلز پارٹی میں مرزائی امت کا گماشتہ ہے۔

اسی طرح ہم اس کے ساتھ اہل و عیال سمیت قسم کھانے کو تیار ہیں۔ شورش کاشمیری اعلان کرتا ہے کہ:

میں نے کبھی کسی شخص یا جماعت سے سیاستہً ایک کوڑی نہیں لی اور نہ کبھی کسی دور کے حکمرانوں سے کسی سطح پر بالواسطہ یا بلاواسطہ مال و زر اینٹھا ہے۔ بلکہ سیاست و خطابت و صحافت میں پیسہ لے کر کام کرنا کمینگی سمجھا۔ کسی فرمانروا یا اس کے اہل کار کو آج تک جرأت نہیں ہوئی کہ ایسی بات کرے۔ اس قسم کی ترغیبات کو ہمیشہ پائے استحقار سے ٹھکرا دیا ہے۔ میرے نفس نے کسی کی عزت و آبرو کے باب میں خیانت نہیں کی میں نفس کا سچا انسان ہوں کبھی شراب نہیں پی۔ زنا نہیں کیا۔ نہ اس کے متعلقات سے لگاؤ یا اُلگاؤ رہا ہے۔ میں تو سگریٹ نوشی سے بھی بفضل تعالیٰ بچا ہوا ہوں۔ ماں نے آج تک وہ انسان ہی نہیں جنا۔ جو میرے ضمیر میرے قلم میری زبان کا سودا کر سکے۔ میں نے کوثر نیازی پر جو الزامات لگائے ہیں خدا اور رسول گواہ ہیں وہ سب سچے ہیں۔

۱۶ دسمبر تک وہ جس مسجد میں چاہے اپنے بچوں کو لے کر آجائے میں بھی اپنے بچوں کو لے کر آجاتا ہوں۔ ماں ہم خدا سے دعا کریں گے قرآن مجید بیچ میں رکھ کر قرآن مجید کی آیات کے تابع کہ رب العالمین اس کو اور اسکی لاد کو مٹادے جو تیری بارگاہ میں جھوٹا حلف لے رہا ہے۔ اگر کوثر نیازی نے حلف اٹھا لیا۔ کہ وہ ان الزامات سے می ہیں۔ تو میں ان سے وہیں معافی مانگ لوں گا۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ان کے خلاف قلم و زبان سے ایک رف ادا نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس ۱۶ دسمبر تک نہ آیا اور گریز و فرار کیا تو چشان بارگاہ ایزدی میں کوثر نیازی اور اس

کے خدا دشمن ساتھیوں کے خلاف استغاثہ دائر کر کے غلاظتوں کے جواب میں قلم نہ اٹھانے کا اعلان کرتا ہے۔
کوثر نیازی آؤ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا تم ممتاز عالم دین کہلاتے ہو۔ اور اپنے نام کے ساتھ مولانا چپکا رکھا ہے۔ میں ایک گنہگار مسلمان ہوں سخت گنہگار۔ اللہ کی کتاب سے فیصلہ لے لو۔"
کوثر نیازی نے شورش کی وفات تک (سوائے ٹولنٹن مارکیٹ پرانی انار کلی لاہور میں شورش سے دست بدست لڑائی کے) اس معاملے کا کوئی جواب نہ دیا۔
یہاں روزنامہ جنگ مورخہ ۷ جون ۱۹۸۹ء کی اشاعت کی ایک خبر کا تذکرہ بھی موضوع سے ہٹ کر نہ ہوگا:
"اسلام آباد (جنگ نیوز) تحریک تحفظ ناموس رسالت کے رہنما مولانا کوثر نیازی گزشتہ روز تحریک کے ایک وفد کے ساتھ ایرانی سفیر کے گھر گئے اور ان سے امام خمینی کی وفات پر تعزیت کی۔ اس موقع پر انہوں نے تعزیتی کتاب میں درج ذیل شعر تحریر کیا

حال ما در ہجر رہبر کم تراز یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود و ما پدر گم کردہ ایم

یعنی اپنے رہبر کی جدائی میں ہمارا حال حضرت یعقوب علیہ السلام سے کم نہیں۔ ان کا بیٹا گم ہوا تھا اور ہمارا باپ گم ہو گیا ہے۔
جبکہ اسی خمینی اور اس کے انقلاب کے بارے میں فروری ۱۹۸۴ میں طبع ہونے والی اختر کاشمیری کی کتاب "آتش کدہ ایران" کے "دریچے" میں کوثر نیازی نے تحریر کیا:
"اس دور حکومت میں سزا اور تعذیب کا جو طوفان اٹھا۔ وہ علماء کے ہاتھوں اٹھا۔۔۔ یہ اسلامی انقلاب کی نہایت بھونڈی تصویر تھی۔ خمینی اور ان کے پیروکار بھی اگر اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے تو ایران میں دارو گیر اور کشت و خون کا جو نہ ختم ہونے والا ایک شیطانی چکر چلا۔ وہ نہ چلتا۔ اس طرح اسلامی انقلاب کے بارے میں دنیا میں جو غلط تصورات اور بدگمانیاں پیدا ہوئیں وہ پیدا نہ ہوتیں۔۔۔ سینکڑوں افراد کو سرسری سماعت پر موت کے گھاٹ اتارتے چلے جانا۔ کسی صورت میں حسنؓ اور حسینؓ کے نانا کا طریقہ نہیں۔"
قارئین کرام! آپ نے کوثر نیازی کا دوغلہ پن ملاحظہ فرمایا۔ بہروپ بھرنے میں یہ آدمی کتنا شاطر ہے کہ شرم تک نہیں آتی۔

ایک دوجے سے یہ کل کہنے لگے باشیتے
رات کٹتی ہے کہاں اس لاڈلے کی بن پیئے
ہم تو فاسق ہیں ازروئے فتویٰ دیروحرم
آپ لیکن کون سے مسلک سے ہیں بہروپیئے؟

کوثر نیازی کے چہرے پر منافقت سے بھرپور مرقص ڈاڑھی ایسے لگتی ہے جیسے میٹھی روٹی سے چیونٹیاں چمٹی ہوئی ہوں۔ "کالی مہندی" والوں نے اس دشمن نابکار کا چہرہ بھی سیاہ کر دیا ہے۔ کہ:

دشمن زندگی است موئے سفید
روئے دشمن راہ سیاہ باید کرد

اسی "مولوی وہسکی" کے بارے میں عدم نے کہا تھا

جناب شیخ یہ چپکے سے کہہ گئے آخر
شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

آخر میں شورش کاشمیری کی نظم "بناسپتی مولانا" جو انہوں نے جناب "مہر خیز" کوثر نیازی کی شان میں نذر کہی تھی۔ قارئین کی ضیافت طبع کے لئے اس کا یہاں نقل کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

بروت و ریش کے عقدوں کو سلجھاتے ہیں مولانا
پرانے تذکروں پر وعظ فرماتے ہیں مولانا
بباطن دختر انگور کے عشاق کی صف میں
بظاہر کوثر و تسنیم کہلاتے ہیں مولانا
سنا ہے آج کل اک جیب کترے کی معیت میں
کلام اللہ کی تفسیر فرماتے ہیں مولانا
نمازی سوچتے ہیں مقتدی حیران ہوتے ہیں
چرا کر مسجدوں سے جوتیاں لاتے ہیں مولانا
ادب کی آبرو غائب زباں کا بانکپن عنقا
خطابت کے نشہ میں جھومتے آتے ہیں مولانا
غضب کی شوخیاں مضمر ہیں اس لوٹن کبوتر میں
پھریرے کی طرح منبر پہ لہراتے ہیں مولانا
زباں کی آخری ہچکی، قلم کا اولیں نخرہ
غزل کے مرحلوں میں ڈھیر ہو جاتے ہیں مولانا
ہزاروں چونچلوں کا روپ اس بالی عمریا میں
مگر ابلیس کی شوخی سے کہلاتے ہیں مولانا
عبارت نامکمل منچلوں کے روزنامے کی
قیامت ہے کہ لیڈر بن کے اتراتے ہیں مولانا
بزرگوں کی سیاسی مخبری کعبہ کی چوکھٹ پر
اسی کی چکنی چپڑی روٹیاں کھاتے ہیں مولانا
ضرورت ہی نہیں اس باب میں عقدہ کشائی کی
رئیسوں کو بکار خاص بہکاتے ہیں مولانا
جنہیں یاران محفل میر کا مطلع سمجھتے ہیں
الہ العالمین! وہ لوگ بن جاتے ہیں مولانا"

ہم مست مست لوگ

پروفیسر مرزا محمد منور

صوفی ہے نذرِ "حال" تو زاہد عمل مست
صرفِ ستارہ پیر، فدا کار فال مست!!
ملا اسیرِ آز۔ معلم رہین زر!!
صیدِ گماں ادیب تو شاعر خیال مست!
دامانِ فکر۔ فکر سے معصوم سر بسر!
مضموں سے بےنیاز، مقرر مقال مست!!
ہیں لوث دیں سے پاک اگر حامیانِ دیں
مفتی ہیں بےلحاظ حرام و حلال مست!!
فنکار کوئی ہفت ہزاری سے کم نہیں!
کیفِ کماں میں ہیں سب اہلِ کمال مست!
مفلس کی مفلسی کا تماشا ہے برقرار!
اور مال مست لوگ بدستور مال مست!!
ایماں یتیم، عزم علیل اور خیال کج!
یاراں، ہیں اپنے رہبر و قائد زوال مست!!
اخوانِ سام ورام کو اس گلستاں میں دیکھ
رقصاں ہیں کس نشاط میں یہ خوش فعال مست!
وہ بیشہ جو تھا شیروں پلنگوں کے واسطے
پھرتے ہیں اس میں کیا سگِ زرد و شغال مست
ناقوسِ جنگ گونج اٹھا اس طرف جناب!
اور اس طرف نقیب ہمارے دھمال مست!!
میخانے کے رقیب کہن سال مغبچے!
پیر مغاں ہیں ان کے ہنر پر نہال، مست!!
دنیا میں عرف ہے نشہ ساز و نشہ فروش!!!
ہم مست مست لوگ، منور و بال مست

آخری قسط

حکیم محمود احمد ظفر

عیسائیت کی یلغار

انگریزوں نے علماء کو بڑی آزمائشوں اور امتحانات میں ڈالا۔ لیکن علماء بھی بڑے سخت جان نکلے۔ بڑی سختیاں برداشت کیں۔ تختہ دار پر کھینچے گئے۔ کالے پانی بھیجے گئے۔ جیلوں کی کال کوٹھڑیوں میں ظلم و تشدد کا کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو ان پر آزمایا نہ گیا۔ یہ سب کچھ برداشت کیا کس کے لئے؟ دین کے لئے، اسلام کے لئے اپنا سارا جسم سختیوں سے داغدار کروا لیا لیکن اسلام کے شفاف دامن کو داغدار نہ ہونے دیا۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے حکومت وقت سے فائدہ اٹھانے کی خاطر حقیقی اسلام کے دامن تک کو چھوڑ دیا۔ انگریزوں نے دیکھا کہ مساجد اور مدارس کے اوقاف چھین لینے اور انہیں برباد کر دینے کے بعد بھی علماء کی دعوتی جدوجہد، اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت، انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کو صف آراء کرنے کی دعوت اور نور قرآن سے مستنیر ہونے میں کچھ بھی فرق نہیں آیا تو انہوں نے علماء پر عرصۂ حیات مزید تنگ کرنے کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ ان کو بدنام کرنے کے لئے ہر قسم کے حربے اختیار کئے گئے۔ خود علماء میں سے ایک گروہ ایسا پیدا کیا گیا جنہوں نے علمائے ربانی پر کفر کے فتوی لگائے اور انہیں عوام میں بدنام کرنے اور عوام کے دلوں میں ان کے وقار کو مجروح کرنے اور ان کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے کے لئے ان پر "وہابی" ہونے کے الفاظ استعمال کئے تاکہ ان کی عزت و ناموس کو عوام میں داغدار کر دیا جائے اور لوگ ان کی بات پر عمل نہ کریں۔ اور ہمارے آقا انگریز کو اس سے کوئی گزند نہ پہنچے۔ اور اس کی حکومت میں مضبوطی پیدا ہو۔

انگریزوں کی طرف سے علماء کو انگریزوں کی مخالفت سے باز رکھنے کے لئے دردناک سزائیں دی گئیں جن میں کسی قسم کی سماعت کے بغیر قید دائمی، جلاء وطنی اور پھانسی جیسی سزائیں بھی شامل تھیں۔ جب کسی عالم دین سے جواب طلب کرنا ہوتا تو عدالت میں اس کو حاضر کیا جاتا۔ کوئی افسر قرآن حکیم اور حدیث کی کوئی کتاب لاتا۔ جہاد کے بارے میں آیات اور احادیث نکالی جاتیں۔ پھر وہ افسر اس عالم دین سے پوچھتا کہ ان آیات و احادیث کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اگر وہ عالم یہ جواب دیتا کہ یہ سب صحیح اور درست ہیں تو وہ افسر کہتا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے خلاف جہاد کرنے کو واجب اور ضروری سمجھتے ہو اس پر اس عالم دین کا موقف اگر یہ ہوتا کہ میں ایک گوشہ نشین انسان ہوں۔ ان آیات اور احادیث کی صحت کا عقیدہ صرف اس لئے ہے کہ یہ قرآن اور احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ تو اس کو چار روز کی مہلت دی جاتی۔ اس دوران اگر وہ اپنا موقف بدل لیتا اور کسی اخبار میں اپنے موقف کی تبدیلی کا اعلان کر دیتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا ورنہ اسے تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا یا پھر دائمی جلاء وطنی، اس سے کم اس کے لئے اور کوئی سزا نہ ہوتی۔ اس طریقہ سے لنکا اور انڈیمان کے جزائر ایسے ہی بے گناہ "مجرم" علماء سے بھر گئے تھے۔ سی یون نے اپنی کتاب MUHAMMED ANISM IN INDIA میں اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ ایک انگریز مصنف "بلنٹ" نے لکھا ہے کہ:

"شہرت رکھنے والے ہر مولوی پر حکومت کی سخت نگاہ ہوتی تھی۔ ہر طرح سے اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جاتا تھا۔ اس پر بھی اگر وہ اپنے موقف پر قائم رہتا تو اسے جزائر انڈیمان جلاء وطن کر دیا جاتا"۔

(مسعود الندوی: تاریخ دعوۃ الاسلامیہ فی الھند ص ۱۸۵، جمال الدین الافغانی، العروۃ الوثقیٰ ص ۳۲۲، ص ۴۱۳، ابوالحسن علی الندوی: رہبانیہ ولا رہبانیہ ص ۱۲۱ نور الدین داؤد: محنۃ فی الفردوس ص ۱۸۸)

ان کے شوقِ شہادت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایک بار ایک انگریز جج نے علماء کی ایک جماعت کو پھانسی دینے کا فیصلہ سنایا تو وہ علماء شہادت کے تصور سے بے انتہا خوش ہوئے۔ انگریز جج کو یہ بات ہرگز پسند نہ تھی کہ اس کا کوئی فیصلہ ان کے لئے مسرور کن ہو۔ چنانچہ اس نے فوری طور پر اپنا فیصلہ بدل دیا اور کہا:

"اے باغیو! پھانسی تم کو بہت عزیز ہے۔ اللہ کی راہ میں تم اس کو شہادت تصور کرتے ہو۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ذریعہ تمہاری کوئی امید بر آئے یا ہم تمہارے لئے کسی خوشی اور مسرت کا باعث بنیں۔ لہٰذا ہم پھانسی کے حکم کو فوری طور پر منسوخ کرتے ہیں اور تمہیں جزائر لنکا میں دائمی جلاء وطنی کا فیصلہ سناتے ہیں"۔ (۱)

(عبد المنعم النمر! کفاح المسلمین فی تحریر الہند ص ۳۲-۳۴، تاریخ الاسلام فی الھند ص ۴۲۶ ابوالحسن علی الحسنی الندوی: اذاھبت ریح الایمان ص ۱۹۴، ص ۲۰۰)

معاون تحریکیں

جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے یا اسلام کے راستہ سے ہٹانے کے لئے انگریزوں نے جو پلاننگ کی تھی وہ پرتگالیوں کی طرح نہ تھی بلکہ یہ بڑی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت تھی اور اس کے

۱- اندازہ فرمایئے کہ علماء نے یہ ساری سختیاں صرف اپنی ذات کے لئے برداشت نہیں کیں بلکہ لوگوں کے لئے برداشت کیں تاکہ ان کے ایمان محفوظ ہو جائیں۔ دین کے لئے برداشت کیں تاکہ دین کے دامن پر کوئی آنچ نہ آئے۔ اگر وہ لوگ بھی انگریزوں کی حکومت کو، ان کی تہذیب کو، ان کے تمدن اور معاشرت کو یا دوسرے لفظوں میں مغربیت کے الحاد کو برداشت کر لیتے تو انگریز ان کے لئے ہر خوشی کے دروازے کھول دیتا۔ لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان لوگوں نے پھانسی کے پھندے کو خوشی سے چوما لیکن حق بات کہنے سے پیچھے نہ ہٹے اور ظالم انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے بات کی۔ اپنی جان کی پرواہ نہ کی لیکن لوگوں کے ایمان کو محفوظ کر لیا۔ آج مغرب زدہ لوگ اور وزیر و مشیر جو ماں کے پیٹ سے چاندی کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے ہیں یا پھر مشنری اسکولوں اور کالجوں کی پیداوار ہیں علماء پر طعن و تشنیع کی سنگ باری کرنے سے نہیں شرماتے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جب ان کے آباء و اجداد انگریزوں کے بوٹ چاٹ رہے تھے اور اس ملک و ملت سے غداری کر کے بڑی بڑی جاگیریں لے رہے تھے اس وقت علماء ملک و ملت کی خاطر اور اسلام و ایمان کی خاطر جیلوں میں بند طرح طرح کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔ ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا تھا۔ ان کو کالے پانی کی سزائیں مل رہی تھیں۔ ان کی جائیدادیں بحق سرکار ضبط ہو رہی تھیں۔ اور یہ سب کچھ وہ انہی لوگوں کے آباء و اجداد کے ایمانوں کی حفاظت کے لئے اور اس ملک کی آزادی کے لئے کر رہے تھے۔

پیچھے بڑے ذہین اور سرد و گرم چشیدہ لوگوں کے تجربے اور مشورے تھے۔ وقفے وقفے کے بعد اس لائحہ عمل کا از سر نو جائزہ لیا جاتا اور جو ترمیم اس میں کرنی ہوتی وہ کی جاتی۔ کامیابی اور ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کیا جاتا اور پھر ان میں مختلف ترامیم بڑے غور و خوض کے بعد تجویز کی جاتیں۔

عیسائی مشنریاں یہ سمجھتی تھیں کہ اگر مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کو اپنا آلہ کار بنا لیا جائے تو ہمیں اپنی سرگرمیوں میں جلدی کامیابی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ شاتلیہ نے لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں کے اندر مشنری سرگرمیوں کے بار آور ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خود ان ہی میں سے کسی کو آلہ کار بنایا جائے اور اس کے ذریعہ سے کام کیا جائے۔ کیونکہ کسی درخت کو کاٹنے کے لئے خود اسی کے کسی حصہ کو استعمال کرنا چاہیئے"

(الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۹۴)

عیسائی مبلغین نے یہ بھی مشورہ دیا کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے نتائج اگر کمزور نظر آئیں تو اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یورپ سے محبت اور عورتوں کی آزادی کا جذبہ بتدریج ان کے اندر بڑھ رہا ہے۔ (۱) ہندوستان میں انگریزوں کو ایسے دو افراد مل گئے جن کی جدوجہد سے ان کے بہت سے مقاصد پورے ہوئے یہ دو اشخاص تھے۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی ۲۔ سر سید احمد خان

پیشتر اس کے کہ ہم ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ بتائیں کہ انکا حدود اربعہ کیا تھا اور انہوں نے کس کس طریقہ سے انگریزوں کی خدمت کی ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات اور ان کے ساتھ ان کے کئی اور اذناب بڑی جستجو کے بعد تلاش کئے گئے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد جب انگریز تمام ہندوستان پر بلاشرکت غیرے قابض ہو گیا تو اس نے ولیم ہنٹر کی سرکردگی میں ایک وفد انگلستان سے سرزمین پاک و ہند بھیجا تاکہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ ہندوستان پر ہمارا قبضہ کس طرح مضبوط رہ سکتا ہے۔ کیونکہ انگریزوں کو مسلمان علماء اور مسئلہ جہاد سے ہر وقت بغاوت کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ یہ وفد ہندوستان آیا اور پورا ایک سال ہندوستان کا دورہ کیا۔ مختلف لوگوں سے ملاقات کی۔ ہندوستان کے حالات کا جائزہ لیا۔ یہاں کے دینی، معاشرتی اور اقتصادی حالات کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ اس سال کی اس جستجو اور میل جول کے بعد اس نے واپس جا کر اپنی رپورٹ ہاؤس آف لارڈز میں پیش کی۔ اس رپورٹ کا نام ہے THE ARRIVAL OF BRITISH EMPIRE IN INDIA اس رپورٹ میں اراکین وفد نے بتایا کہ جس طرح آپ لوگوں نے میر جعفر اور میر صادق جیسے سیاسی غدار پیدا کر کے ہندوستان پر قبضہ کیا ہے اب آپ کا قبضہ اسی صورت میں پائیدار اور مضبوط رہ سکتا ہے جب کہ آپ اس میں مندرجہ ذیل قسم کے اشخاص پیدا

---

(۱) اس سے پتہ چلتا ہے کہ یورپی تہذیب کی محبت اور عورتوں کی آزادی کا جذبہ بھی عیسائیت کی جانب ایک قدم ہے۔ لہذا پاکستان میں عورتوں کی آزادی کی علم بردار اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ اسلام عورتوں کو آزادی نہیں دیتا لیکن یورپ والی مادر پدر آزادی نہیں دیتا۔

کریں جو مذہبی محاذ پر مسلمانوں سے غداری کریں دوسرے لفظوں میں مذہبی غدار پیدا کریں اور وہ مذہبی غدار اس قسم کے ہوں۔

۱۔ مسلمانوں کا مسئلہ جہاد ہر وقت آپ کی حکومت کے لئے خطرہ بنا رہے گا۔ کیونکہ جب بھی مسلمانوں کو یہ بتایا جائے گا کہ جہاد کا وقت آگیا ہے وہ بغیر سوچے سمجھے آپ کی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے لہٰذا سب سے پہلے اس مسئلہ پر جہاد کو حرام کرنا ضروری ہے۔ لیکن اسلام کے اس بنیادی مسئلہ کو کوئی مولوی یا پیر حرام نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے ایک نبی کی ضرورت ہوگی لہٰذا آپ لوگوں کو سب سے پہلے ایک نبی پیدا کرنا ہوگا جو اس مسئلہ جہاد کو حرام قرار دے اور اس کی زندگی کا مقصد وحید یہی ہو۔ چنانچہ اس کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کو پیدا کیا گیا۔

۲۔ ایک وہ شخص پیدا کیا جائے جو مسلمانوں کو انگریزی تعلیم میں رنگ دے اور لوگوں کو یہ باور کرائے کہ تم اس وقت تک ترقی ہی نہیں کر سکتے جب تک اس تعلیم کو حاصل نہیں کرو گے۔ اس زبان سے آشنا نہیں ہو گے۔ جو حاکم کی زبان ہے۔ انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان وہ نفرت کو دور کرے۔ چنانچہ اس کام کے لئے سر سید احمد خان انہیں مل گیا جس نے انگریز کا ہر وہ کام کر دیا جس کو انگریز تنہا نہیں کر سکتا تھا۔

۳۔ کچھ ایسے لوگ پیدا کئے جائیں جو علماء کی عزت و توقیر لوگوں کے دلوں سے نکال دیں۔ علماء ربانی کو "وہابی" یا دوسرے القاب سے یاد کر کے لوگوں کے دلوں میں ان کی نفرت پیدا کر دی جائے تاکہ لوگ ان کی بات مان کر انگریزوں کے خلاف اٹھ نہ کھڑے ہوں۔ اس مقصد کے لئے بہت سے علماء کو ڈھونڈ لیا گیا۔ علماء ربانی کو عوام میں بے وقار کرنے میں انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ان کے خلاف کتابیں لکھیں۔ فتوے دیئے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی نفرت پیدا کرنے کے لئے ہر حربہ اختیار کیا گیا۔

اس وفد کی ان تینوں سفارشات کو عملی شکل دینے کے لئے تین قسم کے لوگ تلاش کئے گئے اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے انگریز کی حکومت کی مضبوطی میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور وہ اپنے مقاصد میں کافی حد تک کامیاب ہوئے۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی

پہلا شخص جس نے انگریزی حکومت کی مضبوطی میں اہم کردار ادا کیا اور اسلام کے منصوص اور تا قیامت قائم رہنے والے مسئلہ جہاد کو حرام کیا اور اپنی بعثت کا مقصد ہی یہ بتایا وہ مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی سکھ حکومت کے آخری عہد ۱۸۳۹ء میں پنجاب کے ضلع گورداسپور کے قصبہ قادیان میں پیدا ہوا۔ (حاشیہ کتاب البریہ ص ۱۴۶) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وقت اس کی عمر سولہ سترہ سال تھی۔ مرزا صاحب کا نسبتی تعلق مغل قوم کی شاخ برلاس سے تھا۔ (کتاب البریہ حاشیہ ص ۱۳۴) لیکن کچھ عرصہ کے بعد انہیں بذریعہ الہام معلوم ہوا کہ وہ ایرانی النسل ہیں۔ مرزا صاحب کے پردادا مرزا گل محمد، صاحب جائیداد و املاک تھے۔ اور پنجاب میں ان کی اچھی خاصی ریاست تھی۔ ان کے انتقال کے بعد اس ریاست کو زوال آیا اور سکھ ریاست کے دیہاتوں پر قابض ہو گئے یہاں تک کہ مرزا صاحب کے دادا مرزا عطاء محمد کے پاس صرف قادیان کا قبضہ رہ گیا۔ آخر میں سکھوں نے اس پر بھی قبضہ کر لیا اور مرزا صاحب کے خاندان کو قادیان سے نکال دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے

آخری زمانہ میں مرزا صاحب کے والد مرزا غلام مرتضیٰ قادیان واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد کے علاقہ میں پانچ گاؤں واپس ملے۔ (کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۴۲-۱۴۴)

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے گھر ہی میں متوسطات تک تعلیم پائی۔ انہوں نے مولوی فضل الٰہی، مولوی فضل احمد اور مولوی گل علی شاہ سے نحو اور منطق کی کتابیں پڑھیں۔ طب کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں جو ایک طبیب حاذق تھے۔ لیکن مرزا صاحب کو اپنے والد کے اصرار پر آبائی زمینداری کے حصول کے لئے جدوجہد اور عدالتی کارروائیوں میں مصروف ہونا پڑا۔

بعد میں مرزا صاحب نے سیالکوٹ میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازمت کر لی۔ وہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک چار سال اس ملازمت میں رہے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۴۴) دوران ملازمت آپ نے دو ایک کتابیں انگریزی کی بھی پڑھ لیں۔ اسی زمانہ میں انہوں نے مختاری کا امتحان دیا لیکن شومئ قسمت سے یا اپنی نالائقی کی وجہ سے اس میں فیل ہو گئے۔ ۱۸۶۸ء میں وہ اس ملازمت سے استعفیٰ دے کر واپس قادیان آگئے اور بدستور زمینداری کے کاموں میں مشغول ہو گئے لیکن اکثر وقت قرآن حکیم کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔

لکھا ہے کہ مرزا صاحب بچپن میں بڑے سادہ لوح تھے۔ ان کو گھڑی میں چابی دینا بھی نہیں آتا تھا۔ جب وقت دیکھنا ہوتا تو گھڑی دیکھتے ہی وقت نہ پہچان سکتے تھے بلکہ ایک کے ہندسہ پر انگلی رکھ کر گنتے تب وقت کا پتہ چلتا۔ جوتے کے الٹے سیدھے کا بھی انہیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ کئی دفعہ الٹا جوتا پہن لیتے۔ پھر تکلیف ہوتی۔ بعض دفعہ اسی وجہ سے پاؤں الٹا پڑ جاتا۔ چنانچہ آپ کی سہولت کے لئے الٹے سیدھے پاؤں کے جوتے کو نشان لگا دیئے گئے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۱۸۰، ص ۶۷) انہیں بار بار پیشاب آنے کی بھی بیماری تھی۔ اس وجہ سے اکثر جیب میں ڈھیلے رکھتے تھے اور شیرینی سے غیر معمولی رغبت کی وجہ سے گڑ کے ڈھیلے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔
(مرزا صاحب کے حالات مرتبہ معراج الدین قادیانی شامل براہین احمدیہ جلد ا ص ۶۷)

مرزا صاحب کا خاندان انگریزی حکومت سے جو پنجاب میں نئی نئی قائم ہوئی تھی شروع ہی سے وفادارانہ اور مخلصانہ تعلق رکھتا تھا۔ اس خاندان کے متعدد افراد نے اس نئی حکومت کی ترقی اور اس کے استحکام میں جاں بازی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا اور بعض نازک موقعوں پر اس کی مدد کی تھی۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کتاب البریہ کی ابتداء میں "اشتہار واجب الاظہار" میں لکھتے ہیں:

میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی۔ اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے۔ اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کی مدد کی تھی۔ یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے۔ ان خدمات کی وجہ سے جو چٹھیات خوشنودئ حکام ان کو ملی تھیں مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں۔ مگر تین چٹھیات جو مدت سے چھپ چکی ہیں ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں۔ پھر میرے والد صاحب کی وفات کے بعد میرا

بقیہ صفحہ ۵۰ پر

دیدہ ور

سہیلی بوجھ پہیلی

میرے دوست نے
مجھ سے سوال کیا ہے
"عید قربان آئی
بچوں نے بکرے کے لئے
خواہش کا اظہار کیا؟"
(کہ اب قربانی فریضہ نہیں
بچوں کی خواہش
اور
دکھاوا بن گئی ہے۔)
میں ایک ملازم
جس کی تنخواہ میں سے
یکمشت دو ہزار
انکم ٹیکس کٹ گیا
دو ہزار روپے کاٹنے والے
افسر نے ماتحت سے کہا
عید آ رہی ہے
ذرا ایک بکرا تو بھجوا دینا
اور عید کے مبارک موقع پر
اس افسر نے
وہ مبارک بکرا

اللہ کی راہ میں
(قربان) کر دیا
مگر میرا بکرا
میرے بچوں کی خواہش
محلے میں میری شہرت کا ثبوت
انکم ٹیکس والوں نے کاٹ لیا
میری زندگی اب
دین و دنیاوی
کسی بھی معیار پر
پوری نہیں اترتی
میرا ادارہ
خالص سود میں سے
مجھے تنخواہ دیتا ہے
جیسے بنک
غریبوں کو زکوٰۃ
سود میں سے ادا کرتا ہے
کیا سود کے پیسے سے
قربانی اور زکوٰۃ
جائز ہے؟ جائز ہے
تو شراب سے وضو کر کے
نماز پڑھنا کیسا ہے؟

مفکرِ احرار چوہدری افضل حقؒ

عبدالمجید قریشی

آخری قسط

میرا افسانہ

فرمایا! "کتنی سزا دوں؟" جواب دیا کہ حکومت کی نافرمانی کے مرض کی شدت ہے: اگر سزا اس مرض کی دوا ہے، تو پوری خوراک دیجئے! مجسٹریٹ نے ہنس کر کہا! "نہیں کم از کم سے شروع کیجئے یعنی چھ ماہ تک جیل یاترا"

وکلاء نے پوچھا: "قید محض ہے یا سخت؟"

کہا: "جیسا ان کا بخت"

اب میں ملزم سے مجرم بن گیا تھا لباس جیل سے بندے کو بندر بنانے کی کسر باقی تھی، وہ بھی پوری ہو گئی۔ شام کے قریب بھگت سنگھ کو چہل قدمی کے لیے کھولا گیا۔ ان کے ہاتھوں میں آبلے اور آنکھیں نمناک تھیں۔ عام طور پر اکثر اضلاع میں نمبردار نادار ہوتا ہے، مگر آپ کھاتے پیتے گھر کے خاصی جائیداد کے تن تنہا وارث تھے اور بیوہ ماں کے اکلوتے بیٹے۔ تحریک ترکِ موالات سے قبل آپ کی شان ملاحظہ طلب تھی۔ بوٹ، سوٹ، کالر، نکٹائی سے کام تھا۔ وہ افسر جس کے ہم رکاب ہوتے، ماتحت معلوم ہوتے۔

معافی موت تھی اور مشقت دشوار۔ میں نے انہیں ڈھارس دی کہ وقت کو خوش طبعی میں ٹالا کریں۔ میری کوشش رائیگاں نہ گئی۔ آپ پل بھر کے لیے تان توڑ خاں بن گئے اور با آواز بلند شبد گانے لگے۔

"اساں نہیں چھڈناں سوراج، سیس تک کر دینا قربان جیہڑا حوالات دا جنگلا، ہے اوہ قیدیاں دا بنگلہ جتھے کرنی ہے گزران، سیس تک کر دینا قربان اساں نہیں چھڈناں سوراج!"

اگرچہ خوش گلوئی کی نعمت قدرت نے عطاء نہیں کی تھی، مگر میں وجد میں آ کر جھومنے لگا۔ اتنے میں داروغے نے آ کر ڈانٹا اور تنبیہہ کی۔

خفتانِ خواب گراں کو سر شانہ ہلا کر جگاتی، تو جیل میں سب مصروف عبادت ہو جاتے۔ مسلمان نماز سے فارغ ہو کر تلاوت، ہندو سندھیا کے بعد گیتا اور سکھ شب کہتے۔ اس طرح سیاسی قیدیوں کی بارکیں برکت سے معمور رہتیں۔

گورنمنٹ ریوڑ کی طرح لوگ کو جیلوں میں بھر رہی تھی۔ کچھ وقت تو اوروں کی مزاج پرسی میں گزر جاتا۔ کچھ لوگوں مصروف مطالعہ رہتے اور کچھ بحث مباحثے میں وقت کاٹتے۔ بارہ بجے روٹی ملتی، پیٹ بھر کر سو جاتے۔ سو کر اٹھتے تو کھیل کود میں لگ جاتے۔ شام کے بعد پھر طعام۔ طعام کے خاتمے پر کلام اور پھر ختم کلام کے بعد آرام کی سوجھتی لیل و نہار کا یہی مختصر لائحہ عمل تھا، مگر رات اپنی گوناگوں دلفریبیوں میں دن سے بڑھ کر تھی۔ رات کے سمے شاعر کا کلام اور خوش گلو کی زبان تاثیر میں سحر سامری سے زیادہ موثر ہو جاتی سب کے سب سرمست و بے قرار "ہائے وائے" کرتے، وجد میں آ کر جھومتے

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
پر غیب سے سامان بقا میرے لیے ہے
پیغام ملا تھا جو حسینؓ ابن علیؓ کو
خوش ہوں کہ پیغام بقا میرے لیے ہے

جب ماہ رمضان جیل میں مسلمانوں نے شکر سے مکھی کھا کر اور صبر سے ٹھنڈا گھونٹ پی کر گزار لیا، تو اسیری میں عید آئی، ہلال کو دیکھ کر حسرتیں خون ہوئیں۔ صبح عید پر شام غربت سے زیادہ اداسی چھائی تھی۔ پانی کے بجائے پسینے سے نہا کر خدمت ایمان میں خلعت جیل پہن پہنا کر اور حب وطن کی خوشبو لگا کر تیار ہوئے۔ سویوں کے بجائے جب چنے چبائے تو مجبوری نے بڑھ کر صدقہ اتارا۔ ہم سب آہستہ آہستہ تکبیر کہتے ہوئے میدان عید میں داخل ہوئے۔ اکثر کے گلے میں ہنسلیاں اور بعض کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ آج جو بے کسی میں سر سجدے میں گئے تو روٹھے معبود کو منا کر اُٹھے۔

ہماری اس عید کو میر غلام بھیک نیرنگ نے یوں موزوں کیا تھا اور وہ "زمیندار" میں شائع ہوئی تھی۔

اے اسیران جفا عید مبارک تم کو
بادہ نوشان بلا عید مبارک تم کو
حق ماہ رمضاں بے سرو سامانی میں
کر دیا تم نے اداء عید مبارک تم کو
وقت افطار و سحر کھا کے چنے کی روٹی
صبر اور شکر کیا عید مبارک تم کو
اگر افطار میسر ہے سحر غائب ہے
کبھی ایسا بھی ہوا، عید مبارک تم کو

عید کی خوشی میں روٹی میں ریت اتنی زیادہ تھی کہ دانت سے دانت نہ لگتا تھا۔ سب کی یہی صلاح تھی کہ صاحب سپرنٹنڈنٹ کو توجہ دلائی جائے۔ اگلے روز باادب ان سے گزارش کی گئی اس وقت تو کسی غصے کا اظہار نہ ہوا، شام کو سپرنٹنڈنٹ بھبوکا بن کر آئے۔ ڈاکٹر بھی ساتھ تھا۔ روٹی منگوا کر مجھے کھانے کو کہا اور خود بھی کھانے لگا۔ ریت کی آمیزش کا مجھے اب بھی اصرار اور اسے انکار تھا اتنے میں ڈاکٹر صاحب بولے: "تمہارے اصرار کے یہ معنی ہوئے کہ صاحب بہادر جھوٹ بولتے ہیں!" پھر کیا تھا، صاحب بہادر کو کپکپی چڑھ گئی اور غصے میں لال پیلے ہو کر چلے گئے۔ صبح آئے، مجھے بلایا اور بقیہ مدت قید کے لیے قید تنہائی کا حکم سنایا۔ میں اس وقت بالکل خاموش رہا۔ مجھے افسوس تھا کہ ایسا شریف آدمی بھی مجھ سے ناراض ہوا۔ میری سزا کے اگلے ہی روز انہوں نے میری صداقت کو تسلیم کر کے تمام پکی پکائی روٹیاں یہ کہہ کر پھنکوا دیں کہ واقعی اس آٹے میں ریت ہے اور روٹیاں بالکل ناقابل خوردنی ہیں، پھر خود مجھے آ کر بتایا کہ آپ برسر حق ہیں میں نے اسی وقت سجدہ شکر ادا کیا۔

میرے اس میں جو ہے قلابازیاں کھاتے رہتے۔ کبھی ایسی بے تکلفی برتتے کہ چھاتی پر چڑھ

آتے۔ آخر جانتے تھے کہ قیدی ہے ہمارا کیا کر لے گا! ان کی شوخی ایسی بڑھی کہ بوٹیاں نوچنے کی نوبت آئی۔ ایک رات میں ہاتھ سرہانے دیئے لیٹا ہی تھا کہ انگلی کاٹ کھائی سانپ سنپولیے کے شبہے میں دھڑ دھڑا کر اٹھا ہاتھ میں جوتا لیا اور بستر کمبل اُلٹا سیدھا کیا۔ دل میں بڑا تردود کہ خدا خیر کرے۔ مگر جب پہاڑ کو کھودا، تو چوہیا نکلی اور جان میں جان آئی۔

ہر صبح اٹھ کر چوہوں کی سوراخ بندی میرا فرض ہو گیا۔ ان سے ذرا جان چھوٹی تو گلہری نے ستانا شروع کر دیا۔ مجھے دوپہر قیلولے کی عادت تھی۔ شاید آنکھ لگنے پر گلہری آنکھ لگائے رکھتی اور پلک جھپکتے ہی میرے چرخے کی ماہل گلوٹے کاٹ کاٹ کو ٹونبا ٹونبا بنا کر دیتی۔ یہ چھیڑ چھاڑ کئی دن تک جاری رہی۔ میں عدم تشدد کا حامی ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہ اٹھاتا، مگر گلہری نے میرا ناک میں دم کر دیا تنگ آمد بجنگ آمد۔ ایک دن ہاتھ میں جوتا لے کر جھوٹ موٹ سو گیا گلہری دبے پاؤں آئی اور کارستانی شروع کر دی۔ میں نے آنکھ بچا کر جوتا اُچھالا پہلے تو لوٹ پوٹ ہو گئی پھر چرچڑاتی بھاگی۔ ایک جوتا کھا کر پھر ادھر کا رخ نہ کیا۔ اس طرح عذاب سر سے ٹلا۔

اگرچہ اس جیل میں مچھر میرے گناہوں سے بھی زیادہ تھے، خوراک کی عنایت کہو یا مچھروں کی نظر کرم میرے جسم کو انہوں نے خوان یغما نہیں بنایا۔ بناتے بھی کیا، نہ ہڈی نہ بوٹی، نہ جسم میں قطرۂ خون۔ جب اور موٹے موٹے سیاسی قیدی یہاں آتے، تو یہ خون خرابے تک نوبت پہنچاتے۔ وہ ایک رات میں ہی تنگ آجایا کرتے تھے جسم پر نگاہ نہ رکھیں، تو مچھر کھائیں، کمبل اوڑھیں تو مارے گرمی کے نیند نہ آئے۔ ساری رات "ہائے وائے" کرتے اور پنکھا جھلتے کٹتی۔

برسات یوں تو برس ہا برس سے آتی ہے، مگر اس برس اس کا رنگ اور تھا کوٹھڑی میں پڑے پڑے گرمی نے جلا کر کباب کر دیا۔ ناگاہ گھٹا زلف یار سے زیادہ سیاہ اک اداء سے ٹھنڈی ہوا کا شانہ پکڑ کر اٹھی، اٹھکیلیاں کرتی آگے بڑھی اور مصحف عالم پر چھا گئی۔ بجلی بادل سے ہنسی، بارش کے موتی زمین کے دامن پر گرے گرد و غبار سے آلود برگ شجر نہائے نکھرے قیدیوں کی قسمت نے خوشگوار پلٹا کھایا۔ میٹھا منہ لگے مہینے گزر گئے تھے۔ آم کی بہار تھی۔ ایک دن میرا جی آموں کو للچا رہا تھا۔ گھٹا اٹھی، برسی بادل کھل گیا۔ میری کوٹھڑی کے سامنے نیم کا درخت تھا۔ نمولیاں بارش سے نہا کر پتوں میں چھپی ایسی معلوم ہو رہی تھیں گویا کوئی حسین سبز چلمن کے پیچھے زرد لباس زیب تن کیے کھڑا جھانک رہا ہے۔ میں بے تابی سے بھڑا۔ منہ لگاتے ہی مزے میں آم کو بھولا۔ جب تک موسم رہا نمولیوں سے منہ ملاحظہ رہا۔ روٹی بھی نمولیوں سے کھاتا اور بغیر ان کے کھانے کا مزا نہ آتا۔ میری دیکھا دیکھی اوروں کو بھی شوق ہو گیا۔ نمولیاں گویا اس جیل کے آم تھے کہ ساری برسات منہ سے نہ چھوٹیں۔

قیدی پولیس افسر کی جیل میں جو درگت ہوتی ہے، اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ کون قیدی ہے جس کا اس غریب کی شکل دیکھ کر ہاتھ نہیں کھجلاتا اور بے چارے کی چندیا پر چپت نہیں جماتا۔ گالیوں کا تو ذکر ہی کیا۔ گال مار مار کر لال کر دیئے جاتے۔ دانوں کی بوریاں اٹھوائی جاتیں۔ بوری اگر گر جاتی، تو نگران کار قیدی جوتا اتار کر دھڑا دھڑ سو گنتا۔ جب ننانوے پر پہنچتا، تو جان بوجھ کر گنتی بھول جاتا اور پھر ایک دو سے شروع کر دیتا۔ جو اس طرح انتقام پورا نہ ہوتا، تو منہ میں جوتے دیئے جاتے۔۔۔۔ جس افسر کا پیٹ بھرا ہوتا، اس پر لاتیں مار مار کر کہتے کہ اس

میں ہمارے گاؤں کے تمام مرغ جمع ہیں۔ مونچھوں سے پکڑ کر جیل میں کھینچے پھرتے اور جھولا جھلاتے اور جھلا جھلا کر پتھر کی طرح پرے پھینک دیتے۔

خدا کا احسان ہے کہ میں دوسرے رنگ میں موجود تھا۔ ایک روز انبالہ جیل میں میں بھی غلطی سے ان کا شکار ہونے لگا تھا فیروز پور جیل سے ایک چالی قیدیوں کی آئی ان کے کان میں بھنک پڑی کہ ایک تھانیدار یہاں موجود ہے۔ ان کی صلاح ہوئی کہ چلو چل کر دستور پورا کریں۔ کسی پرانے قیدی کو خبر ہوئی تو اس نے روکا کہ اب وہ سرکاری تھانیدار نہیں ہمارا تھانیدار ہے۔۔ یہ سن کر وہ سب میرے پاس آئے اور پاؤں چھوئے۔

ایک روز ایک نمبردار میرے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ نے کسی ڈاکے میں مل سنگھ وغیرہ کا چالان بھی کیا تھا۔ میں چونکا الہیٰ خیر! پوچھنے پر اس نے بتایا کہ مل سنگھ یہاں نمبردار ہو آیا ہے اور کل وہ آپ سے ملنے کے لیے آئے گا۔ میں نے تمام دن بے چینی سے گزارا اور رات بھر نیند بھی نہ آئی۔

میری تشویش بے جا نہ تھی۔ اس شخص کا میں نے مع اس کے چھ رفقا کے ڈکیتی میں چالان کیا تھا اور سوائے سرگروہ کے جس کو ۳۳ سال سزا ہوئی، سب پانچ پانچ سال سزا یاب ہوئے تھے۔ اس سب انسپکٹر کی بد قسمتی کا کیا ذکر جس کے سر پر وہ نمبردار ہو کر آئے جسے اس نے سزا دلائی ہو۔ یک بیک مل سنگھ سامنے آتا دکھائی دیا۔ وہ میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں اس کو دیکھ کر خاموش تھا اور وہ مجھ کو دیکھ کر چپ۔ میں اس کے ہاتھوں کو دیکھتا تھا کہ کب وہ مجھ پر اٹھتے ہیں۔ لیکن اس کبریا کی شان دیکھئے! جس سے بدی کا قوی احتمال تھا، اس نے اپنا سر میرے پاؤں پر رکھ دیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور کہا کہ آپ کا کیا سے کیا حال ہو گیا۔

میرے ساتھ اسے اتنی عقیدت ہو گئی کہ وہ جیل میں جو امکانی خدمت میری کر سکتا تھا، کرتا ابتدا میں دودھ چُرا کر میرے لیے لاتا اور اصرار کرتا کہ ضرور پی لیں۔ پیاز جو جیل خانے کی بہترین نعمت تصور کی جاتی ہے، آنکھ بچا کر لنگر خانے سے اٹھا لاتا تاکہ روٹی کے ساتھ کھائیں۔ جیل کی روشوں سے پھول توڑ کر لاتا اسے خیال نہ تھا کہ چوری جرم ہے، اس لیے کبھی وہ ایسی چیزیں لاتا، تو میں لینے سے انکار کر دیتا، اول اول میرا انکار اس کی دل شکنی کا باعث ہوا، مگر جب میں نے اس کے جرم اور ذمے داری کی وضاحت کی تو اس کی عقیدت بیش از بیش ہو گئی۔

بقیہ از صفحہ ۴۵

بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکار میں مصروف رہا اور جب تموں کے گزر پر مفسدوں کا سرکاری انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا"۔

(اشتہار مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء صفحہ ۳-۶ ملحق بکتاب البریہ)

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مسئلہ جہاد کو حرام کرنے اور اس مسئلہ کو لوگوں کے ذہن و قلب سے نکالنے کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو نبوت کا دعویٰ کر کے اس مسئلہ کو حرام قرار دیتا تاکہ کوئی بھی کلمہ گو انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے کا خیال بھی اپنے ذہن میں نہ لاتا۔ انگریزوں کی نگاہ اس پرانے کاسہ لیس خاندان پر پڑی جس نے ہر آڑے وقت میں مسلم قوم سے غداری اور انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرا۔

زبان میری ہے بات ان کی

ساغر اقبالی

O کبھی پلاٹ یا مالی مفاد حاصل نہیں کیا۔ (صدر اسحاق)

سمندر میں رہنے والے کا دریا سے کیا کام؟

O پنجابی سیاست دانوں نے ذلت آمیز کردار اداء کیا۔ (کھر)

اپنے عہدِ اقتدار کی بات کر رہے ہیں آپ؟

ویسے بھی سیاست دان ذلت اور ذلالت سے مالا مال ہیں۔

O جنگل افسروں نے لاکھوں کی قیمتی لکڑی، ایندھن کے بھاؤ بیچ ڈالی۔ (ایک خبر)

"فارسٹ آفیسر" کا مطلب ہی یہی ہے۔

O عارف لوہار پنجاب کا مائیکل جیکسن ہے۔ (البیلا)

شیخ رشید فوراً متوجہ ہوں۔

O میر خلیل الرحمن نے صحافت کو عبادت سمجھا۔ (خطیب شاہی مسجد عبد القادر آزاد)

برہنہ اور نیم برہنہ تصاویر شائع کرنا عبادت ہے؟ مولانا صاحب۔

O پی آئی اے سے تنخواہ نہیں لیتا۔ (مینجنگ ڈائریکٹر)

جس شخص کو اُوپر سے کمائی نہیں ہوتی
سوسائٹی اس کی کبھی ہائی نہیں ہوتی

O حاکم علی زرداری کی صدر مملکت سے ملاقات۔ (ایک خبر)

صدر صاحب! آصف علی زرداری کے بارے میں کچھ سوچیں۔ وہ ان دونوں پھر فارغ ہیں۔

O بے نظیر کے خلاف ریفرنس واپس ہوں گے۔ (غوث علی شاہ)

"مک مکا نظام" کی واضح مثال!

O حالات سے تنگ آ کر کالج ملازم نے گلے میں پھندا ڈال کر خود کشی کر لی۔ پولیس کارروائی میں مصروف ہے۔ (ایک خبر)

گھر والوں کو مزید پریشان کرنے کے سوا کیا کارروائی ہو گی۔

O امریکی خاتون کے ہاں بیک وقت چھ بچوں کی پیدائش۔ (ایک خبر)

فیملی پلاننگ کے خلاف سنگین سازش!

O میں ملک کا بادشاہ ہوں نہ ڈکٹیٹر۔ (صدر اسحٰق)

واہ! واہ! تیریاں لہریاں!

O گوہر ایوب پر قوم کو فخر ہے۔ (چوہدری پرویز الٰہی)

پرانے کارناموں پر!

O کونسلر میاں شجاع الرحمٰن نے سکول پر قبضہ کر کے کتے اور مویشی باندھ دیئے اور پہرہ لگا دیا۔ (ایک خبر)

نظامِ تعلیم کی ترقی کی ایک جھلک۔

O صدر کی ہدایت پر مظفر علی شاہ کی بے نظیر سے ملاقات! (ایک خبر)

یہ آپ کو نئے نئے گر بتائے گی۔

O اداکارہ رانی کی وفات پر شیخ رشید کا اظہارِ غم۔ (ایک خبر)

طوائفوں اور مراثیوں کی کارپوریشن کا سینٹری انسپکٹر!

O ذوالفقار علی کھوسہ اور غلام بانی کھر نے رشوت لینے کے الزام میں معطل اینٹی کرپشن کے افسر کو بحال کرا دیا۔ (ایک خبر)

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے، انجامِ گلستاں کیا ہوگا

O نواز شریف اور بے نظیر دونوں ٹھگ ہیں۔ (پیر پگاڑہ)

آپ ٹھگوں کے بادشاہ ہیں۔

O منصفانہ انتخابات کے لئے دولت کے بے پناہ استعمال پر پابندی لگائی جائے۔ (نوابزادہ نصر اللہ)

کہ اس دھندے میں میری کافی زمین بک چکی ہے۔

O کاش اقوامِ متحدہ میں بے نظیر بھٹو کشمیر کا کیس پیش کریں۔ (دلدار پرویز بھٹی)

جیسے ان کے والد نے مشرقی پاکستان کا کیس پیش کیا تھا۔

O پیر پگاڑا علیل ہو گئے۔ (ایک خبر)

مہینے علیل ہو لئے۔

سبائی فتنہ (جلد اوّل)

تالیف

مولانا ابو ریحان سیالکوٹی

O اہلسنت کا روپ دھار کر رفض و سبائیت پھیلانے والے چکوالی فرقہ کے باطل افکار و خیالات کا مدلل، علمی و تحقیقی محاسبہ۔

O ایک تہلکہ خیز کتاب، جس نے نام نہاد تقدس مآبوں کی کمین گاہوں میں زلزلہ برپا کر دیا۔

کمپیوٹر کتابت O اعلیٰ طباعت O ۵۶۸ صفحات O قیمت ۱۵۰/- روپے

بخاری اکیڈمی، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان، فون: ۵۱۱۹۶۱

علمی تعاون کی درخواست

ڈاکٹر ابوسلمان
شاہجہان پوری

مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پاکستان کے زیر اہتمام مولانا ابوالکلام آزاد کے تقریباً ساڑھے پانچ سو خطوط کا مجموعہ ترتیب و تدوین کے آخری مراحل میں ہے۔ یہ خطوط دو سو سے زیادہ معروف اور غیر معروف لوگوں کے نام ہیں۔ اس مجموعہ مکاتیب میں غبار خاطر، نقش آزاد اور تبرکات آزاد کے خطوط شامل نہیں اس مجموعے میں مولانا کا ایک خط قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نام ہے۔

اس خط میں مولانا آزاد نے اسلامی نظام حکومت کے قیام کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے۔

"مجھے اس بات سے نہایت خوشی ہوئی کہ نواب یوسف علی خان صاحب کے پیش نظر یہ مقصد ہے۔ بلاشبہ بہ حالت موجودہ ممکن نہیں کہ کامل اسلامی نظام قائم کیا جاسکے۔ تاہم بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر علم و بصیرت کے ساتھ قدم اٹھایا جائے تو عجب نہیں کہ اس بارے میں ایک وسیع نمونہ قائم ہو جائے"

ان چند جملوں میں مولانا آزاد نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ بذات خود بڑے علم و بصیرت کی بات ہے۔ ان جملوں میں جس آرزو کا اظہار کیا ہے۔ اس کا تعلق ان کے مقاصد حیات سے ہے اور ان کے متعدد مضامین خطبات جمعات و عیدین اور مختلف ادوار حیات کے خطوط نہ صرف ۱۹۱۳، ۱۹۱۴ سے ۱۹۲۰ بلکہ ۳۳، ۳۶ اور ۵۶ تک کے خطوط سے ثابت ہے۔

۱۔ سب سے پہلے ان کے سامنے پورے برعظیم ہند پاکستان کے لئے مسلمانوں کے ایک آزاد اسلامی شرعی نظام کے قیام کا مسئلہ آیا۔ اس کے قیام میں موانع پیش آئے تو

۲۔ صوبائی سطح پر نظام شرعی کے قیام کی کوشش کی گئی۔ صوبہ بہار میں نظام قائم بھی ہو گیا جو اب تک قائم ہے اور کسی نہ کسی درجے میں اس کی افادیت بھی ثابت ہو چکی ہے۔ پنجاب میں امیر شریعت کا انتخاب عمل میں آ گیا لیکن کوئی نظام قائم نہیں ہوسکا۔

۳۔ اس کے بعد بھی مولانا مسلمانوں میں ایک اجتماعی شرعی نظام کے قیام کے آرزومند رہے۔ یہ نظام خواہ چھوٹے سے چھوٹے دائرے میں اور کلی طور پر نہ سہی جزوی طور پر مثلاً زکات کے اجتماعی نظام، اسلامی عدالتی نظام کسی قریہ و قصبہ ہی میں قائم کرلیں اور مسلمان اپنی زکات ایک جگہ جمع کریں اور شریعت اسلامیہ کے بنائے ہوئے مصارف میں آپس کے صلاح و مشورہ سے خرچ کریں اور آپس کے تمام تنازعات کو اپنے عدالتی نظام کے تحت طے کرلیا کریں اور جب تک کوئی ایک فریق یا حالات مجبور نہ کردیں وہ برٹش استعمار کے نظام عدلیہ سے رجوع نہ کریں۔ مولانا کے نزدیک اتنا نظام قائم کرلینا بھی بہت سے مفاسد میں مانع اور بہت سے فوائد کے حصول میں ممد تھا۔ چناں چہ مولانا آزاد کے متعدد خطبات، مضامین، خطوط سے ثابت ہے کہ انہیں جب بھی روشنی کی کوئی کرن نظر آئی۔ وہ

اس کی طرف بے تابانہ دوڑے ہیں اور مسلمانوں کو اس طرف پلٹ پلٹ کر پکارا ہے۔ لیکن حالات کی سنگین اتنی شدید، تاریکی اتنی زیادہ راہ کی مشکلات ایسی صبر آزما اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے اختلافات اتنے افسوس ناک اور نظام اسلامی اور نظم جماعت کے قیام کی اہمیت سے ذہن اس درجہ نا آشنا اور صدیوں کی رولستی و رسمی زندگی پر ایسے قانع اور ذہنی جمود میں ایسے مبتلا اور قلب کی قصاوت اتنی شدید تھی کہ "فہی کالحجارہ" کی مثال اس پر صادق آتی تھی۔ چنانچہ مولانا آزاد کی آرزو کی کرن اور سعی و عمل کی کوئی حرکت حالات کی تاریکی میں روشنی اور زندگی کے جمود میں کوئی تغیر پیدا نہ کرسکی۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ مخالفت، ریشہ دوانیاں اور سازشیں علماء ومشائخ کے حلقے سے کی گئیں۔ بلکہ اب جو حقائق سامنے آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد نظم جماعت کے قیام کی تحریک کو سب سے زیادہ نقصان اس علمی شخصیت نے پہنچایا جو مولانا کو ہمیشہ اپنی عقیدت و نیاز کا یقین دلاتی رہی تھی اور جس نے مولانا آزاد کی شخصیت کی عظمت، ان کے فکر کی بلندی، انکی ذہنی و دماغی صلاحیتوں دعوت رجوع الی القرآن اور اسکے انقلاب کا سب سے زیادہ شاندار الفاظ میں اعتراف اور انکے ترجمان القرآن کی سب سے زیادہ الفاظ میں توصیف و تحسین فرمائی تھی۔ اور مولانا آزاد بھی ان کی ملاقات و صحبت کے سب سے زیادہ آرزومند رہے تھے۔ اور انہیں ہمیشہ اخی العزیز۔ اخی الامتر۔ وغیرہ القاب سے مخاطب فرماتے تھے۔

بلاشبہ مولانا آزاد ملک کی سیاسی، اقتصادی معاشی زندگی اور مسلمانوں کی سماجی زندگی کے فروغ ترقی استحکام کے لئے فرقہ وارانہ سیاست کے مخالف تھے اور ہندوستان میں مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے اطمینان و سکون اور اپنے اسلامی فرائض کی بہترین ادائیگی مثلاً مسلمانوں کی تعلیم و تربیت۔ تبلیغ و اشاعت اسلام، مسلمانوں کے اسلامی تہذیبی خصائص کے نشوونما، علوم وفنون اسلامی کی تعلیم و اشاعت اور مسلمانوں کے اوقاف اسلامی آثار، دینی مدارس، خانقاہوں، مسجدوں کے تحفظ اور انتظام و انصرام اندرونی متنازعات کے تصفیے کیلئے مسلمانوں کی اجتماعی تنظیم کے خواہاں تھے۔ اس کے لئے پر امن ماحول کی ضرورت تھی اور پرامن ماحول فرقہ وارانہ اتحاد کی بنیاد پر قائم ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ ہندو مسلم اتحاد کے دل سے خواہاں تھے اور اس کے زندگی بھر خواہاں رہے۔ وہ فرقہ واریت اور ہندو مسلم اختلاف اور ملکی زندگی میں انتشار کو خود مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے لئے نہایت مضرت رساں سمجھتے تھے۔ یہ ان کی سیاست کا ایک پہلو تھا جس کی صحت ان کے فہم و مطالعہ اور فکروتدبر نے ان پر ثابت کر دی تھی اور یہ ان کے کیریکٹر کی خوبی تھی کہ جب ان پر وقت و فکر کی ایک سچائی ثابت ہو گئی تو پھر ان کے رویے میں یمین ویسار کا تذبذب کبھی پیدا نہیں ہوا۔ غالب مرحوم نے ایک ایسی ہی سیرت کے لئے کہا تھا۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

مولانا آزاد کی صرف یہی خوبی نہ تھی کہ وہ اپنی فکر میں مخلص اس کے وفادار اور استوار تھے۔ بلکہ وہ اپنی رائے میں صائب بھی تھے۔

مولانا آزاد کا یہ خط جو یہاں پیش کیا جا رہا ہے اور جس کے بارے میں چند معلومات کی فراہمی کا خواہاں ہوں

بہت فکر انگیز ہے۔ اور مولانا کا یہ فرمانا کہ "بلاشبہ بہ حالت موجودہ یہ ممکن نہیں کہ کامل اسلامی نظام قائم کیا جاسکے"۔ بہت گہرے علم و بصیرت پر مبنی ہے۔ یہ بات مولانا نے ۱۹۳۳ میں فرمائی تھی اس پر ساٹھ سال کی مدت گزر چکی ہے اور قیام پاکستان کے چھیالیس سال کے بعد بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اور یہ توقع کہ "تاہم بہت کچھ کیا جاسکتا ہے اور اگر علم و بصیرت کے ساتھ قدم اٹھایا جائے تو عجب نہیں کہ اس بارے میں ایک وقیع نمونہ قائم ہو جائے۔ اس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اگر آج فوری طور پر کوئی انقلاب نہیں آجاتا تو یہ بھی کچھ کم کامیابی نہیں کہ آئندہ کے لئے ایک وقیع نمونہ قائم ہو جائے"۔

مولانا آزاد کے یہ افکار اور یہ آرزوئیں ان باطنیین کے لئے نہایت تعجب انگیز اور سبق آموز ہوں گے جو بار بار یہ اعلان کرتے ہیں کہ ۱۹۲۰ کے بعد مولانا آزاد اسلام سے مایوس ہو گئے تھے اسلام کے تصور حیات کو ترک کر دیا تھا۔ (۲) یا انہوں نے اسلام کو نصب العین کے بجائے ذریعے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ (۳) انہوں نے اپنی راہ مسلمانوں سے الگ کرلی تھی اور انکی جگہ اسلام کے دائرے کے اندر نہیں تھی۔ ان کی زندگی کا کارنامہ صرف یہ تھا کہ انہوں نے نماز کے لئے مسلمانوں کو صرف جمع کیا تھا نماز پڑھی یا پڑھائی نہیں تھی۔ (۴)

میں اہل علم اور اصحاب نظر کا نہایت شکر گزار ہوں گا کہ وہ مجھے نواب یوسف علی خان کی شخصیت انکی سیرت اور انکے عزائم کے بارے میں اپنی معلومات سے استفادے کا موقع دیں اور یہ بتائیں کہ ان کی ریاست اجاگیر وغیرہ کہاں تھی؟ امید ہے کہ ان سوالات کے جوابات سے قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور نواب صاحب کے تعلقات سے پردہ ہٹ جائے گا۔ مولانا آزاد مرحوم کا خط یہ ہے:

۳۔ اسٹور روڈ۔ کلکتہ

۲۰۔ ۱۱۔ ۱۹۳۳ء

حبی فی اللہ!

خط پہنچا۔ افسوس ہے کہ میں کوئی ایسی کتاب نہیں بتا سکتا، جو بہ حالت موجودہ آپ کے مقصد کے لئے کار آمد ہو۔ البتہ اگر اس علاقے کے ضروری حالات میرے علم میں آجائیں تو میں آپ کو بتلا سکتا ہوں کہ اسلامی نظام حکومت کے اصول پیش نظر رکھتے ہوئے کیا کیا اقدام وہاں کئے جاسکتے ہیں۔ اور مناسب حال کیا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

مجھے اس بات سے نہایت خوشی ہوئی کہ نواب یوسف علی خان صاحب کے پیش نظر یہ مقصد ہے بلاشبہ بہ حالت موجودہ یہ ممکن نہیں کہ کامل اسلامی نظام قائم کیا جاسکے۔ تاہم بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر علم و بصیرت کے ساتھ قدم اٹھایا جائے تو عجب نہیں کہ اس بارے میں ایک وقیع نمونہ قائم ہو جائے۔

لیکن خط و کتابت کی جگہ بہتر تھا کہ کوئی صاحب مجھ سے مل لیتے جنہیں وہاں کے تمام حالات کا علم ہوتا۔ میں انشاء اللہ عنقریب دہلی کا قصد کروں گا۔ پہلی دسمبر سے ۱۵ تک وہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔ اور دہلی بہ مقابلہ کلکتہ کے قریب ہے۔ یا تو آپ آجائیں یا کوئی ور صاحب جو ضروری سوالات کا جواب دے سکیں۔

بہت ہی بہتر ہوتا اگر یوسف علی خان صاحب خود مل سکتے۔ اگر کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو پھر آپ علاقے کی

تفصیلی حالت تحریر کریں۔
آبادی کتنی ہے؟
رئیس کو کس درجے کے اختیارات حاصل ہیں؟
آبادی تمام تر مسلم ہے یا غیر مسلم ہیں؟
موجودہ حالت عدالتی اور انتظامی حیثیت سے کس نوعیت کی ہے؟ وغیرہ
والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ: ابوالکلام:

حواشی

(۱) سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنو مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کی تحقیق کے مطابق مولانا مودودی باطنی تھے اور جماعت اسلامی ایک باطنی تحریک ہے۔ لاہور، کراچی وغیرہ کے کئی ادارے اس تحریک کے برگ و بار ہیں۔ اور ایک خاص طریق کار کے مطابق الگ الگ ایک دوسرے سے بہ ظاہر بے نیاز اور کہیں کہیں کچھ اختلاف کے ساتھ یکساں مقاصد کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ان کا الگ کوئی مکتب فکر نہیں۔

(۲) یہ خیالات تواتر کے ساتھ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پیش کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مولانا آزاد کو بدنام کرنا اپنا مشن بنا لیا ہے اور دعوتِ رجوعِ الی القرآن سے زیادہ اگر انہیں کسی بات سے دلچسپی ہے تو اس سے کہ مولانا آزاد کو اسلام سے بددل، مایوس اور پسپائی اختیار کر لینے کا عنوان دے کر اسلام سے منحرف ثابت کر دیا جائے۔ حالاں کہ یہ چیز ان کے پیشِ نظر مقاصد کے بشرطیکہ وہ اس میں مخلص ہوں ہرگز مفید نہیں۔

(۳) یہ بات مولانا نصر اللہ خان عزیز نے اپنی خود نوشت "زندگی کی گزرگاہوں میں" (مطبوعہ ہفت روزہ ایشیا۔ لاہور میں) لکھی ہے اور دو قسطوں میں بہ تفصیل بحث کی ہے کہ مولانا مودودی کے پیشِ نظر اسلام بہ طور نصب العین کے اور مولانا آزاد کے سامنے ذریعے اور طریقِ کار کے طور پر تھا۔ یہ بات لکھتے ہوئے مولانا نصر اللہ خان عزیز نے اس سنگینی کو محسوس نہیں فرمایا جو اس میں مضمر ہے۔ ایک بہترین نظام زندگی کے طور پر تو ایک غیر مسلم بھی اسلام کے نظامِ زندگی کو اختیار کر سکتا ہے۔ اس کے فوائد سے مستفید بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ گاندھی جی نے ایک موقع پر ہندوستان کے آئندہ نظامِ حکومت کے سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ حکومت (خلافت) کو پیش کیا تھا اور محض اس اظہار سے وہ مسلمان نہیں ہو گئے تھے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان کے سامنے اسلام بہ طور نصب العین کے نہ رہے اور وہ پیشِ نظر سیاسی، معاشی مقاصد اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے اسلام کو محض ذریعہ اور طریق کار کے طور پر اختیار کرتا ہے تو پھر وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ دراصل یہ وہی چیز ہے جسے مولانا مودودی نے اذان دے کر مسلمانوں کو جمع کرنے اور نماز پڑھانے کے بجائے مسجد سے نکل جانے سے تعبیر کیا ہے اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اسلام سے مولانا آزاد کی بددلی، مایوسی اور پسپائی اختیار کر لینا قرار دیا ہے۔ ان سب کے نزدیک ان تعبیرات کا مفہوم یہ ہے کہ مولانا آزاد دائرہ اسلام سے نکل گئے تھے۔

(۴) یہ خیالات مولانا مودودی صاحب کے ہیں۔ ان کا اظہار انہوں نے رسالہ ترجمان القرآن (لاہور) میں کیا اور انہیں افکار کے لولوئے لالہ انہوں نے اچھرہ میں شام کی مجالس میں بکھیرے تھے، جن سے ان کے معتقدین نے اپنی جیب و داماں بھرے اور اسی سرچشمے سے ڈاکٹر اسرار احمد فیض یاب ہوئے ہیں۔

حسنِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔

سید محمد ذوالکفل بخاری۔

کتاب علامہ اقبالؒ اور مولانا محمد علیؒ

مؤلف ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری O ضخامت۔ ۱۳۸ صفحات O قیمت۔ درج نہیں

ناشر مکتبہ شاہد ۹/۱ علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۷۵۸۰۰

برعظیم ہندوپاک کے دورِ غلامی میں صحافت کے میدان میں چار شخصیتیں ایسی ابھریں کہ انہیں ہم صحافت کے "ائمہ اربعہ" کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ تھے ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، ظفر علی خاں اور محمد علی جوہر! جہادِ آزادی میں یہ چاروں بزرگ پیش پیش تھے۔ اپنے اپنے انداز میں اور اپنے اپنے اسلوب میں! ان حضرات کی شخصیتوں کے مطالعے سے جہاں حریتِ فکر و عمل کا درس ملتا ہے وہیں ضمناً بعض دلچسپ حقائق بھی سامنے آتے ہیں۔ مثلاً ظفر علی خاں کے طنز و مزاح اور ہجو و مذمت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایسے خوش قسمت افراد کی تعداد بہت کم ہے جو ہمیشہ ظفر علی خاں کی مدح و ستائش کے مستحق رہے ہوں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ محمد علی جوہر کا بھی ہے۔ بہادر، بے باک اور مخلص۔ مگر جوشیلے، جذباتی اور متلون مزاج! اب یہی اقتباس دیکھئے، علامہ اقبال کا تذکرہ فرما رہے ہیں:

"ڈاکٹر محمد اقبال صاحب خوب شعر کہا کرتے تھے اور غالب کی طرح یہ کہہ کر کہ:

فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں

عدالتوں میں جا کر خاصی وکالت بھی کر لیا کرتے تھے۔ اور جو وقت بچتا تھا اس میں اسلامیہ کالج اور پنجاب یونیورسٹی کی خدمت کر لیا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم کیوں انہیں سوجھی کہ کونسل کو چلئے اور وہ پنجاب کی جمہور سے رائیں حاصل کرنے کے لئے دربدر پھرے اور اپنے مدمقابل کو بالآخر ہرا کر، ملک معظم اور ان کے ورثاء کی وفاداری کا حلف اٹھا کر پنجاب کونسل میں شریک ہوئے۔ ہمیں اسی کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی خدا نے جس شخص کو "شمع و شاعر" اور "اسرار" و "رموز" لکھنے کی عجیب و غریب قدرت عطاء فرمائی تھی وہ کہاں چودھری شہاب الدین کی زیرِ صدارت پنجاب کونسل میں بکواس کرنے جا رہا ہے"۔

یہ تو محض "مشتے نمونہ از خروارے" ہے۔ جوہر مرحوم نے علامہ اقبال کی شخصیت اور شاعری پر اسی انداز کے طویل تبصرے اور تنقیدیں اپنے روزنامہ "ہمدرد" (دہلی) میں ۱۹۲۷ء میں چھاپنے کا خاص اہتمام فرمایا تھا۔ "اقبالیات" کے عظیم الشان ذخیرے میں اس "عظیم الشان اضافے" کو اول اول ایک بہت بڑے اور بہت مشہور انقلابی صاحبِ قلم نے کتابی صورت میں محفوظ کیا تھا۔ لیکن انہوں نے بہت سے سخت جملے اور بہت سے اصحاب

کے نام از خود حذف فرما دیئے جس کا کہ انہیں کوئی حق نہیں تھا۔

زیر نظر کتاب میں جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری مدظلہ نے محمد علی جوہر کی ان پانچ تحریرات کو نہ صرف من و عن محفوظ کر دیا ہے بلکہ ان سے متعلق ضروری اشارات اور حوالہ جات بھی فراہم کئے ہیں۔ ہمارے سامنے کتاب کا دوسرا (اور تازہ) ایڈیشن ہے۔ جسے دیکھ کر ہمارا تاثر تو یہ ہے کہ اس تالیف کو محمد علی جوہر کے طرزِ فکر، طرزِ احساس اور طرزِ اظہار کا ایک اچھا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان کی چیختی چنگھاڑتی، ڈانٹتی ڈپٹتی، للکارتی جھنجھوڑتی اور فرائٹے بھرتی اردو نثر، تراکیب و اشعار سے "مسلح" نثر یقیناً اپنا ایک منفرد رنگ لئے ہوئے ہے۔

نفاذِ اسلام سے فرار کیوں؟

"جو لوگ اسلام کے نظامِ حکومت سے دامن کشاں ہیں اور اقتدار نشین ہو کر اسلامی نظام کے قیام سے فرار اختیار کرتے ہیں اور عوام کو اپنی ذہنیت کی اصلاح کے لئے کہتے ہیں وہ دراصل اسلام پر الزام دھرتے ہیں اور خود اسلام سے تہی داماں ہیں۔ جب سب کچھ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے تو پھر جس نام سے یہ طاقت حاصل کی گئی ہے اس سے یہ انحراف کیوں برتا جا رہا ہے۔؟

اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے۔ وہ ایک ایسا نظام ہے جو ازاول تا آخر اور تا بہ قیامِ قیامت ہر انسانی گروہ اور ہر انسانی جماعت کی خوش حالی اور برتری کا ضامن ہے۔ وہ بنیادی سعادتوں اور دنیوی خوش نصیبوں کا توشہ ہے اور ہم اس پر چل کر اپنے لئے، بنی نوع انسان کے لئے اور معاشرۂ انسانی کے لئے صحت مند مستقبل تیار کر سکتے ہیں۔

مسلمان اور موت کا خوف یک جا نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ قرآنی نظام زندگی کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی بینائی سلب ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنی نفسی کوتاہیوں کو اسلام کی کوتاہیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری
صوبائی احرار کانفرنس (لائل پور) فیصل آباد
۳۰ مئی ۔ ۴۸ء

مسافرینِ آخرت

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کے ماموں زاد جواں سال سید محمد طیب بخاری ۲۰ جون ۱۹۹۳ء کو گجرات میں نامعلوم شقی القلب قاتلوں کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ وہ محکمۂ تعلیم میں ملازم تھے۔ دفتر سے گھر جارہے تھے کہ بازار میں انہیں گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اور وہ چند گھنٹوں بعد زخموں کی تاب نہ لاکر ہسپتال میں انتقال کر گئے۔

حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ کے رفیق خاص مولانا محمد یٰسین مدظلہ (نائب مہتمم جامعہ قاسم العلوم ملتان) کے والد ماجد حاجی عبدالرحمٰن صاحب ۱۷ جون کو تقریباً ایک سو چھے برس کی عمر میں ملتان میں انتقال کر گئے۔

حضرت امیر شریعت کے انتہائی مخلص کارکن امیر بخش مرحوم کے فرزند اور قاری کریم نواز صاحب (مقیم مدینہ منورہ) کے بھائی حافظ رحیم بخش صاحب ملتان میں وفات پاگئے وہ انتہائی صالح اور پابندہ صوم وصلوٰۃ تھے۔

ڈسٹرکٹ جیل ملتان کے خطیب اور ہمارے محترم رفیق جناب قاری عبداللطیف صاحب (مقیم مدینہ منورہ) کے چچازاد قاری محمد امین صاحب عید کے روز ملتان میں رحلت فرما گئے۔

ہمارے رفیقِ فکر اور نوجوان محقق محمد عمر فاروق صاحب کے خالہ زاد جناب مظہر الحق صاحب تلہ گنگ میں انتقال کر گئے۔ وہ اپنے خاندان کے واحد کفیل تھے۔ ان کی تین کم سن بچیاں اور ایک بیٹا اپنے شفیق والد سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے ہیں۔ مرحوم ادارہ کے بہت ہی مخلص معاون تھے اور دین کا درد رکھنے والے ایک صالح نوجوان تھے۔

بستی مولویاں (رحیم یار خان) میں ہمارے کرم فرما مولوی نعیم اللہ صاحب کے جواں سال بھانجے کا ۱۸ جون کو انتقال ہوگیا۔

لاہور میں خاندانِ امیر شریعت کے قدیم کرم فرما اور ادارہ نقیب کے معاون خاص محترم میاں محمد اسلم جان مجددی مدظلہ کی ہمشیرہ، ان کے برادرِ نسبتی مولانا قاری عبدالرشید اور قاری صاحب کی ہمشیرہ انتقال کر گئے۔ محترم میاں صاحب کو یکے بعد دیگرے تین صدموں سے دوچار ہونا پڑا۔ واضح رہے کہ قاری عبدالرشید مرحوم، قاری عبدالمجید مرحوم کے بھائی حضرت مولانا نور محمد لدھیانوی (مرتب نورانی قاعدہ) کے پوتے تھے۔

مجلس احرارِ اسلام کے مبلغ مولانا محمد مغیرہ کے استاذزادہ حافظ خالد محمود صاحب (گھلی ضلع وہاڑی) رحلت فرما گئے۔ وہ ایک صالح انسان تھے۔ ان کے وجود سے علاقہ بھر کے مسلمانوں کو بہت دینی فائدہ پہنچا۔ اور قرآنِ کریم کی تعلیم عام ہوئی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ تمام مرحومین کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے دعاؤں اور ایصالِ ثواب کا خاص اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کے حال پر رحم فرمائے اور اپنی رضا نصیب فرمائے۔ اراکین ادارہ

پسماندگان کے غم میں شریک ہیں اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کے ساتھ حسنِ آخرت کا معاملہ فرمائے اور لواحقین کو صبر عطاء فرمائے۔ (آمین)

ادارہ

دعاء صحت

جلال پور پیروالہ میں نقیب ختمِ نبوت کے معاون اور ہمارے دیرینہ کرم فرما محترم عبدالرحمن جامی کی والدہ ماجدہ، دادی صاحبہ اور ان کی اہلیہ علیل ہیں۔ خود جامی صاحب بھی کئی عوارض میں مبتلا ہیں۔

ظاہر پیر میں مجلسِ احرارِ اسلام کے دیرینہ معاون محترم حافظ ارشاد احمد دیوبندی صاحب کی بیٹی شدید علیل ہیں۔

ہمارے معاون اور مخلص و ہمدرد حاجی محی الدین صاحب (ساکن نکہ کھوٹ تلہ گنگ) دل کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ تمام مریضوں کی شفایابی کے لئے دعاء فرمائیں۔

ادارہ

طلباء و علماء اور عامۃ الناس کے لئے یکساں افادیت کی حامل دینی و تحقیقی کتب

مقامِ صحابہؓ واہلِ بیتؓ (مقالہ خصوصی) ________ 3 روپے

امیرالمؤمنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ (مقالہ خصوصی) ____ 4 روپے

امیرالمؤمنین سیدنا عمرؓ (مقالہ خصوصی) ________ 3 روپے

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

حَلقۂ احبابؔ

محترم عزیز!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے امیرِ شریعت کی یاد میں خصوصی اشاعت پر ہدیہ تہنیت پیش کرتا ہوں۔ رسالہ کی تیاری کے لئے اس طرح کے معیاری اور مختلف مضامین کو یکجا جمع کرنا یہ محنت شاقہ بھی قابلِ داد ہے۔ ویسے تو ہر مضمون پُرکشش ہے لیکن بعض مضامین میں یہ جاذبیت اور بھی زیادہ ہے اس لئے ان مضامین کو بار بار پڑھنے کے باوجود ہر تکرار میں نئی حلاوت محسوس ہوتی ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجلسِ احرارِ اسلام کو ۴۸ء میں ختم کر دیا تھا اس کذب و افتراء کی اشاعت میں بعض شرعی چہرے بھی پیش پیش ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ "صاحب البیت ادری بمافیہ" کے اصول کے مطابق خاندان امیرِ شریعت کا قول اس بارہ میں قولِ فیصل کی حیثیت کا حامل ہے۔ پھر آپ نے اس خصوصی اشاعت میں شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اُن خطوط کو شائع کر کے جن میں شاہ جی نے جماعتی پالیسی کو بیان کیا اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "مجلس کا قیام و بقا بہرحال ایک شرعی امر ہے" ان حضرات کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا ہے۔

۵۸ء کو جب جماعت سے پابندی ختم کر دی گئی تھی تو شاہ جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چوک گھنٹہ گھر ملتان میں اپنے ہاتھ سے پرچم کشائی کی تھی۔ یہ گنہگار اپنے طالب علمی کے زمانہ میں اس تقریب میں خود موجود تھا۔ پھر ماسٹر تاج الدین انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی سٹیج پر تقریر کی تھی اور ان کی تقریر سے قبل برادر محترم مولانا سید عطاء المحسن بخاری زید لطفہ نے قرآن مجید کی تلاوت کی تھی۔ اور پھر یہ بھی اتفاق ہو گیا کہ اسی یوم باغ لانگے خان میں جماعت اسلامی کا جلسہ بھی تھا۔ جو لوگ جماعت اسلامی کی پالیسی سے متاثر تھے وہ یہ کہتے تھے کہ مجلسِ احرار اسلام سے حکومت نے پابندی اس لئے ختم کی ہے تاکہ یہ لوگ جماعت اسلامی کا مقابلہ کریں کیونکہ حکومت جماعت کی سیاسی قوت سے خوف زدہ ہے۔ پھر انہی دنوں میں مجلسِ احرارِ اسلام نے دوسرا جلسہ حسین آگاہی میں منعقد کیا۔ جس میں محترم شیخ حسام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے تھے۔ لیکن اس رات سخت بارش ہونے کی وجہ سے جلسہ جلد ہی برخاست ہو گیا۔ اور انہی دنوں روزنامہ "آزاد" کی ایک خصوصی اشاعت میں شاہ جی کی یہ پرچم کشائی والی تصویر بھی ثبت تھی۔ بہرحال آپ نے یہ ضخیم نمبر شائع کر کے نہ صرف حضرت امیرِ شریعت کی حیات کے مختلف گوشوں کو نئی نسل کے سامنے اجاگر کیا ہے بلکہ اُن کی جماعت مجلس احرار اسلام کی تاریخ بھی محفوظ کر دی ہے۔ آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

والسلام

مولانا عبدالحق۔ رحیم یار خان

بقیہ اداریہ

عوام کے ٹھکرائے ہوئے سیاست دان جب اکٹھے ہوں تو وہ "اے پی سی" کہلاتی ہے۔ گزشتہ دنوں اسلام آباد میں اے پی سی نے ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ۸-۹ محرم کو قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیا جائے۔ کیونکہ اجلاس کا ہونا اس ماہ کے تقدس کے خلاف ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ بات وہ لوگ کہہ رہے ہیں جنہوں نے خود اپنے ایوان کے تقدس کو رُسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی پھر رمضان المبارک اور حج کے مہینے جنہیں اللہ نے محترم قرار دیا ہے۔ اُن کے احترام کیلئے یہ لوگ کبھی نہیں بولتے اور گونگے شیطان بن کر اپنے اعمال خبیثہ سے ان محترم مہینوں کی حُرمت کو پامال کرتے ہیں۔ ان شیاطین کے نزدیک اللہ کے محترم کئے ہوئے مہینے قابلِ احترام نہیں پھر اے پی سی کی اس قرارداد کی حمایت میں ہمارے بعض مذہبی رہنما اور اُن کی جماعتیں بھی رطب اللسان ہیں۔

نویں جماعت کی انگریزی کی کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے ہجرت کے واقعہ کے ضمن میں بنیادی شخصیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ اسماء کے اسماء گرامی حذف کر دیئے گئے ہیں جبکہ سیدنا علی کا نام موجود ہے۔ یقیناً اس سازش کو ٹیکسٹ بک بورڈ کی نصابی کمیٹی میں گھسے ہوئے سبائیوں اور رافضیوں نے پایہ تکمیل تک پہنچا کر کروڑوں اہل سنت کی دل آزاری کی ہے۔ اس ظلم، دل آزاری اور دیدہ دلیری پر پورے ملک میں سناٹا ہے۔ اور کسی کو انسانی حقوق کا نام نہاد چارٹر یاد نہیں۔ یہ مسئلہ اُن لوگوں کی خصوصی توجہ کا منتظر ہے جو اہل سنت کا ووٹ لیکر اسمبلی تک پہنچے ہیں۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو گا کہ ایک اسلامی ملک کے مسلمان اپنے سامنے اپنی ہی تاریخ کو مسخ ہوتا دیکھیں۔ ہمارے لیے یہ امر ناقابل برداشت ہے۔ حکومت فوراً اس کا ازالہ کرے۔

ان تمام حقائق واقعات کا لب لباب یہ ہے کہ ملک کا سیاسی نظام بری طرح تباہ ہو چکا ہے۔ ہم جس کافرانہ اور مشرکانہ نظامِ ریاست و سیاست "جمہوریت" کے علمبردار ہیں موجودہ حالات اس کے برگ و بار اور لازمی نتیجہ ہیں۔ حکومت کے ادارے آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ سیاست دان روزانہ وفاداریاں بدل رہے ہیں۔ یہاں کوئی قانون اور اصول نہیں ہے۔ ہر شخص فقیہ اور مجتہد بنا ہوا ہے۔ وہ اپنی ذاتی رائے کو ہی دین اور قانون سمجھتا ہے اور دوسروں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ نہ صرف اس کو قبول کریں بلکہ اس پر عمل کر کے اس کے صحیح ہونے کی تصدیق بھی کریں اس ظالمانہ طرزِ عمل کا نام، جمہوریت، آزادی اظہار، رواداری اور انسانی حقوق کی پاسداری رکھ چھوڑا ہے۔
"لعنت بر پدرِ فرنگ"

ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اسحاق خان، نواز شریف، بے نظیر اور دیگر سیاست دان کیا سوچتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اُن کی منزل طے شدہ ہے۔ یہ لوگ ملک، قوم اور دین کو تباہ کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ مگر وہ لوگ جو اپنے ساتھ دین کی نسبت رکھتے ہیں انہیں بہرحال سوچنا ہو گا، فیصلہ کرنا ہو گا اور اس پر چلنا ہو گا۔ پاکستان میں کفر اور اسلام کی جنگ کا آخری راؤنڈ شروع ہو چکا ہے۔ اور پوری دنیا کے کفار و مشرکین اس جنگ میں براہ راست شریک ہو چکے ہیں۔ اگر اس نازک موقع پر دینی قیادت نے سب سابق سرد مہری اور بے حسی کا مظاہرہ کیا تو تاریخ انہیں بھی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کرے گی۔ اب اس کے سوا کوئی حل نہیں کہ پاکستان کی دینی قوتیں خالصتاً نفاذِ اسلام کیلئے اخلاص کے ساتھ ایک بھرپور جدوجہد شروع کر دیں۔

کوئی تو پرچم لیکر نکلے اپنے چاک گریباں کا
چاروں جانب سناٹا ہے دیوانے یاد آتے ہیں

محمد سعید الرحمٰن علوی

مولانا غلام رسول مہر اور پاکستان اسکیم

مسلمان قوم کو اللہ تعالیٰ نے جن ذہنی صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ اس کا عملی ثبوت مختلف شعبوں میں اس قوم کی کارکردگی سے ہو سکتا ہے، علم و ادب کا ایک شعبہ تاریخ اور فلسفۂ تاریخ ہے، ان ہر دو کے بانی ہونے کا سہرا مسلمان قوم کے سر ہے۔ تاریخ کے حوالہ سے پیغمبر اسلام کے ایک کاتبِ وحی مشہور مدبر اور دانشور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان کو یہ شرف حاصل ہے تو فلسفہ تاریخ کے حوالہ سے علامہ ابنِ خلدون کا یہ اعزاز ہے کہ انہوں نے اسے ایک باقاعدہ فن کا روپ بخشا تھا۔ ان حضرات کے علاوہ کتنے ہی اصحابِ علم اور اصحابِ قلم تھے اور ہیں. جنہوں نے اس میدان میں جھنڈے گاڑے۔ لیکن گستاخی معاف. ہمارا پاکستانیوں کا معاملہ کچھ اس قسم کا ہے کہ ہمیں بہت سے میدانوں میں شرمندگی اور ندامت کا ایک قسم کا احساس ہوتا ہے اور بہت سے پہلو ایسے ہیں، جن کے حوالہ سے ہمارے پاس کوئی مستند لٹریچر نہیں۔ جناب بانیٔ پاکستان اپنے مقام و احترام کے حوالہ سے اس قابل تھے کہ ان کی شخصیت، کردار اور خدمات پر تفصیلی لٹریچر سامنے ہوتا، لیکن چند اصحابِ علم و قلم نے اپنی ذاتی عقیدت و تعلق کے نقطۂ نظر سے اس موضوع پر قلم اٹھایا یا پھر سرکاری سطح پر ایک برطانوی مصنف مسٹر بولیتھو سے ایک کتاب لکھوائی گئی۔ ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح نے بوجوہ اس کتاب پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جناب مصنف برطانیہ کے اس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں، جو شاہی خاندان کی تعریف و توصیف کے لئے مشہور ہے، گویا آپ انہیں ایک قصیدہ گو یا درباری شاعر کہہ سکتے ہیں، تحقیق کے معیار پر پورا اترنے والا مصنف و مؤلف نہیں۔ انڈیا گورنمنٹ نے مسٹر گاندھی پر زبردست فلم بنوائی، جو ساری دنیا میں مقبول ہوئی اور پسند کی گئی، لیکن ہمارے یہاں بانیٔ پاکستان پر اس ضمن میں شروع ہونے والا کام اب تک تشنۂ تکمیل ہے۔ کچھ عرصہ قبل کراچی میں خاص بانی پاکستان کی خدمات اجاگر کرنے کی غرض سے ایک ادارہ کا قیام معرضِ وجود میں آیا، ایک کہنہ مشق اہلِ قلم جو اس کی سربراہی کے خواہش مند تھے، ناکامی کی شکل میں اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس ادارہ سے بانیٔ پاکستان کی تقدیر کا جو مجموعہ چھپا تھا، پر پے در پے اعتراضات کئے، سب سے بڑھ کر بانیٔ پاکستان کی اس تقریر کو ہدفِ اعتراض بنایا گیا، جو انہوں نے جون 1947ء میں اسمبلی میں کی جو گویا ان کی پالیسی تقریر تھی۔

دراصل ہمارے یہاں جس بیماری نے جنم لیا اور اب اس کی جڑیں مستحکم ہو چکی ہیں، وہ یہ ہے کہ ہم انسانوں کو انسان کے نقطۂ نظر سے نہیں، بلکہ عقیدت کی شکل میں فرشتہ کے انداز میں اور مخالفت و نفرت کی شکل میں شیطان کے انداز سے دیکھتے ہیں۔ یہی وہ رویہ ہے، جس کی وجہ سے توازن و اعتدال نام کو باقی نہیں رہتا اور لوگ افراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس بیماری کا ذکر کیا اور بتلایا کہ اسی سے عقیدت میں غلو پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کی انتہا شرک جیسی بیماری پر ہوتی ہے۔ قوم نوح جو سب سے پہلے شرک کی بیماری کا شکار ہوئی، اس کا یہی المیہ تھا، اسی المیہ کی دوسری شکل آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے اور قرآن نے بتلایا کہ قبولِ حق کی راہ میں جو بڑی رکاوٹیں ہیں، ان میں سے ایک یہ رکاوٹ ہے۔ تاریخ کے معاملہ میں ہمارے اس رویہ نے ہمیں جس موڑ پر پہنچا دیا ہے، اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کے حوالہ سے ہمارے یہاں کوئی مستند کام نہیں ہوا، حالانکہ یہ تحریک ہماری ملی زندگی کا ایک اہم حصہ تھا۔ آج ہر شخص اس تحریک کے حوالہ سے نامور کارکن بن کر اپنا قد بڑھانے کی فکر کرتا اور مفادات حاصل کرتا ہے، لیکن یہ کوئی نہیں بتلاتا کہ یہ سب کیسے ہوا؟

ہماری صحافتی زندگی کے دو اہم کردار ہیں، ایک کا نام غلام رسول مہر ہے، دوسرے کا نام پیر علی محمد راشدی۔ اول الذکر مشرقی پنجاب کے مردم خیز خطہ جالندھر کے باسی تھے تو دوسرے سندھ کے معروف خاندان کے فرزند، مہر مرحوم غالب، اقبال اور ابو الکلام پر اتھارٹی تھے، قدرت نے انہیں ذہن رسا بخشا تھا۔ حیرت ہے کہ علامہ اقبال اور سر فضل حسین جیسے حضرات اس نوجوان کی ذہنی صلاحیتوں سے برابر فائدہ اٹھاتے رہتے تو مرحوم سر سکندر حیات ان پر بہت اعتماد کرتے، مہر ابتدا میں مولانا ابوالکلام کی جماعت "حزب اللہ" کے رکن رہے، انہیں مولانا سے بے پناہ تعلق تھا، جو تقسیم کے فلسفہ پر شدید اختلاف کے باوجود قائم رہا۔ مولانا ظفر علی خان کے "زمیندار" کا فاضل

ایڈیٹر ملک ہوا تو سارا عملہ الگ ہو گیا اور اس طرح "انقلاب" کی داغ بیل ڈالی گئی۔ بقول مہر ربع صدی سے زائد کے عرصہ میں جو کچھ انقلاب کے لئے لکھا گیا اس کو جمع کیا جائے تو پانصد صفحات کی 80 جلدیں بن سکتی ہیں۔ مہر کی ذہنی صلاحیتوں، اس کی سیاسی اپروچ اور منطقی طرز استدلال سے متاثر ہو کر قرارداد پاکستان کی منظوری سے ڈیڑھ دو سال قبل موجودہ گورنر سندھ کے بزرگ سر عبداللہ ہارون نے "تقسیم ملک" کے لئے ایک پروگرام وضع کیا اور پیر، علی محمد راشدی جیسے معروف اہل قلم کو ساتھ لے کر اس معاملہ کو اس طرح آگے بڑھایا کہ مرحوم مہر کا دماغ ہر موقعہ پر مسیحائی کا فرض سرانجام دیتا رہا۔ یہ ساری داستان راشدی مرحوم نے مہر کی وفات 71ء کے بعد پاکستان کے ایک کثیر الاشاعت اخبار میں کئی اقساط میں لکھی، تو بہت سے لوگ چونک اٹھے، دیومالائی اور افسانوی کہانیوں کے رسیا لوگ حیران رہ گئے کہ یہ سب کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ایسا ہی تھا، سر عبداللہ ہارون سے لے کر جی - ایم سید تک، بہت سے سندھی اکابر اس مسئلہ پر سرگرم عمل تھے۔ بانی پاکستان کے حاشیہ خیال میں ابھی یہ بات نہ تھی، اس مسئلہ کو آگے بڑھانے کی غرض سے 1938ء میں کراچی میں عظیم الشان مسلم لیگ کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں مشرق و مغرب کی دو عظیم مسلم ریاستوں کا ایسا نقشہ پیش کیا گیا، جن کے درمیان غیر مسلم حکومت ایک جزیرے کی مانند ہوگی۔

اس مقصد کے لئے مہر نے سات مہینے مستقل لاہور سے دور رہ کر اتنا کام کیا کہ اس کا تصور ممکن نہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے بے پناہ سفر کئے، اقلیتی صوبوں کے رہنماؤں سے لے کر اکثریتی صوبوں کے رہنماؤں سے ملے۔ سر عبداللہ ہارون کی سرپرستی تھی تو علی محمد راشدی سفر و حضر کے مولانا مہر کے ساتھی۔ جناح صاحب جیسے ذمہ دار شخص کو بہت سے معاملات میں جس شخص نے اپنے منطقی استدلال سے قائل کیا وہ مہر تھے۔ یہ تمام تفصیلات راشدی کے قلم سے سامنے آئیں، جبکہ مہر کے بچوں نے دستاویزی قرارداد اور منصوبہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کے سپرد کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں یہ ساری داستان مرتب ہو کر سامنے آئی۔ آج سے 22 برس قبل ایک کثیر الاشاعت اخبار میں جو چھپا وہ مزید دستاویزات کے ساتھ اب مرتب ہو کر سامنے آیا تو میں حیرت میں ڈوب گیا۔ ان تفصیلات کے اصل انکشاف کرنے والے راشدی ہیں، عربی، فارسی، اردو اور سندھی سمیت مختلف زبانوں کے ماہر اور بے پناہ علمی و تحقیقی کام کے خالق۔ ذاتی مشاہدات راشدی کو وافر مقدار میں میسر آئے اور انہوں نے کلیجہ نکال کر کاغذ پر رکھ دیا۔ تمام تفصیلات سپرد قلم کر دیں اور اس بات کا ماتم کیا کہ مسلم لیگ کے عظیم اجلاس میں جو طے ہوا اس کو 1946ء میں مسلم لیگ اسمبلی کے چند ممبروں نے الٹ کر رکھ دیا اور اس سارے منصوبہ کا اس طرح حلیہ بگاڑا کہ خدا کی پناہ۔ کہاں تو یہ بات کہ ہم مشرق و مغرب میں دو عظیم مسلم مملکتوں کے مالک ہوتے اور کہاں یہ کہ سازشی عناصر کی قہرمانیوں اور ریشہ دوانیوں کے سبب ہم ایک ایسے ملک کے مالک بنے، جس کے دو حصوں کے درمیان ہزار میل کا فاصلہ تھا اور جس پر تبادلۂ آبادی کا بے پناہ بوجھ تھا۔

یہ سب کیوں ہوا، طے شدہ اصولوں کے برعکس، پنجاب و بنگال جیسے واضح اکثریتی صوبے کیوں تقسیم ہوئے، مسلمانوں کے تہذیب و تمدن کی امین ریاست حیدر آباد کس المیہ کا شکار ہوئی۔ جوناگڑھ جیسی ریاستیں جو الحاق پاکستان کا اعلان کر چکی تھیں، وہ کیوں پاکستان کا حصہ نہ بن سکیں اور کشمیر حلق میں اٹک کر کیوں رہ گیا، پھر وہ کون لوگ تھے جنہوں نے 1956ء تک آئین نہ بننے دیا اور جب آئین بنا تو دو سال بعد اس کو کس نے توڑا اور کیوں؟ پھر وہ کیا اسباب تھے، جن کی وجہ سے 1971ء میں پاکستان جو پہلے ہی بقول راشدی نامکمل تھا۔ مزید توڑ پھوڑ کا شکار ہو گیا اور اندرا گاندھی کو ہماری آئیڈیالوجی کا مذاق اڑانے کا موقعہ مل گیا؟ یہ بڑے تلخ حقائق ہیں، لیکن حقائق حقائق ہوتے ہیں۔ زندہ اور باوقار قومیں ان سے سبق سیکھتی اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتی ہیں اور مستقبل کو سنوارنے کی فکر کرتی ہیں۔ اس داستان کے کردار غلام رسول مہر اور علی محمد راشدی ہیں جن کی پاکستان کے لئے محبت و اخلاص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا، اس داستان سے بعض اکابر کی غلطیوں کا انکشاف پریشانی کا باعث بن سکتا ہے، لیکن ملت کی سرفرازی اور مستقبل کی بہتری کا سامان اس میں ضرور موجود ہے۔ افراتفری، نفسانفسی اور افراط و تفریط کے دور میں تاریخی سچائیوں کے اظہار کے لئے زہر کا پیالہ پینے والے سقراط سے بڑھ کر احترام کے مستحق ہیں اور ایسے ہی لوگ ہیں، جن کی سیرت و کردار بیت المقدس کی خدمت سے یہودی عدالت کی پھانسی تک کے مرحلے طے کرنے والے جناب مسیح کے کردار کا سایہ ہے، ایسے باکرداروں کی قدر معاشرہ کا فرض ہے۔

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے مسلمان توجہ فرمائیں

★ — مجلسِ احرارِ اسلام دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک تحریکِ ختمِ نبوت ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمتِ مسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابر احرار نے ایک بات شدت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یکجہتی پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمتِ مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرونِ ملک دینی ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یوں ہے :

★ مدرسہ معمورہ ——— دار بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان۔ فون نمبر: ۵۱۱۹۶۱۔

★ مدرسہ معمورہ ——— مسجد نور، تغلق روڈ ملتان ———

★ بُستانِ حمیرا (مدرسۃ البنات) ——— دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان ———

★ سادات اکیڈمی ——— دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان ———

★ مدرسہ محمودیہ معمورہ ——— ناگڑیاں ضلع گجرات ———

★ مدرسہ ختمِ نبوت ——— مسجد احرار متصل ڈگری کالج ربوہ۔ فون نمبر: ۸۸۶ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوت ——— سرگودھا روڈ ربوہ ———

★ دارالعلوم ختمِ نبوت ——— چیچہ وطنی ۔ فون نمبر: ۲۹۵۳ – ۲۱۱۲ ———

★ احرار ختمِ نبوت سینٹر ——— چیچہ وطنی ———

★ مدرسہ ابوبکر صدیق ——— تلہ گنگ ضلع چکوال ———

★ مدرسۃ العلوم الاسلامیہ ——— گڑھا موڑ ۔ فون : ۱۳ ———

★ مدرسۃ البنات ——— گڑھا موڑ ۔ فون : ۱۳ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوت ——— نواں چوک گڑھا موڑ ———

★ مدرسہ ختمِ نبوت ——— صادق آباد، ضلع رحیم یار خان۔ ———

یہ ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان، مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیشِ نظر زمین کی خرید اور تعمیرِ نو، دفاتر کا قیام، بیرونی ممالک میں مبلغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت — یہ تمام کام اُمتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دُعا، ہم کرینگے اور اجر اللہ پاک دینگے — آئیے، آگے بڑھئے اور اجر کمائیے

سید عطاء المحسن بخاری
دار بنی ہاشم ○ مہربان کالونی ○ ملتان
ترسیل زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ

جامع مسجد ختمِ نبوت

دارِ بنی ہاشم — مہربان کالونی — ملتان

زیرِ اہتمام: تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

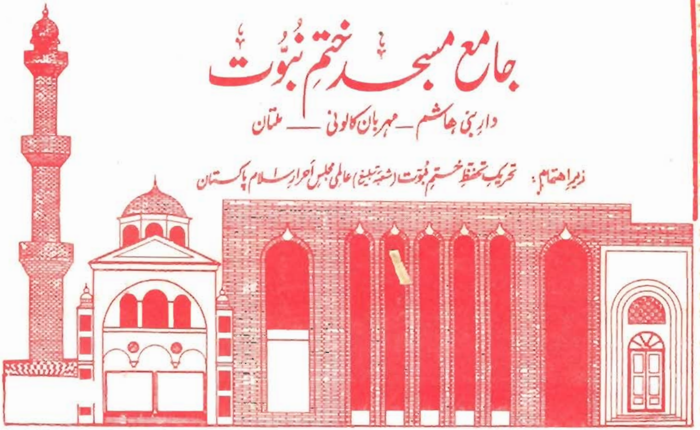

مسجد تکمیل کے مراحل میں ہے، دیواروں کے پلستر، ٹونٹیوں کی تنصیب، بجلی کی فٹنگ دروازوں اور کھڑکیوں کی تنصیب کا کام جاری ہے۔ اِس وقت تعاون کی اشد ضرورت ہے۔ نقد و سامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ اور اللہ سے اجر پائیں۔

ترسیل زر کے لئے

بذریعہ بنک ڈرافٹ، چیک

بنام ابنِ امیرِ شریعت سید عطاءُ المحسن بخاری

اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲، حبیب بنک حسین آگاہی ملتان۔